

یہ دوستی تیرے دم سے

سندس جیس

کیم اکتوبر کا ایک نیم خوشگوار دن تھا، وہ جلدی جلدی تیار رہو رہی تھی، سینڈل باندھنے کے بعد اس نے ہاتھ دھوئے اور برش لے کر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی، تیز تیز ہاتھ چلاتے اس نے بالوں کو جو کہ بمشکل کندھوں سے ذرا سا ہی نیچے آرہے تھے، پونی ٹیل کی شکل میں باندھ لیا، کیونکہ کھلے وہ چھوڑ سکتی نہیں تھی اور سٹائل اس کے علاوہ اور کوئی بنتا نہیں تھا، اس کے بعد اس نے آئینہ میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا، سوئس کے بلیک اوپن شرٹ اور ٹراؤزر میں ٹھیک ہی لگ رہی تھی۔

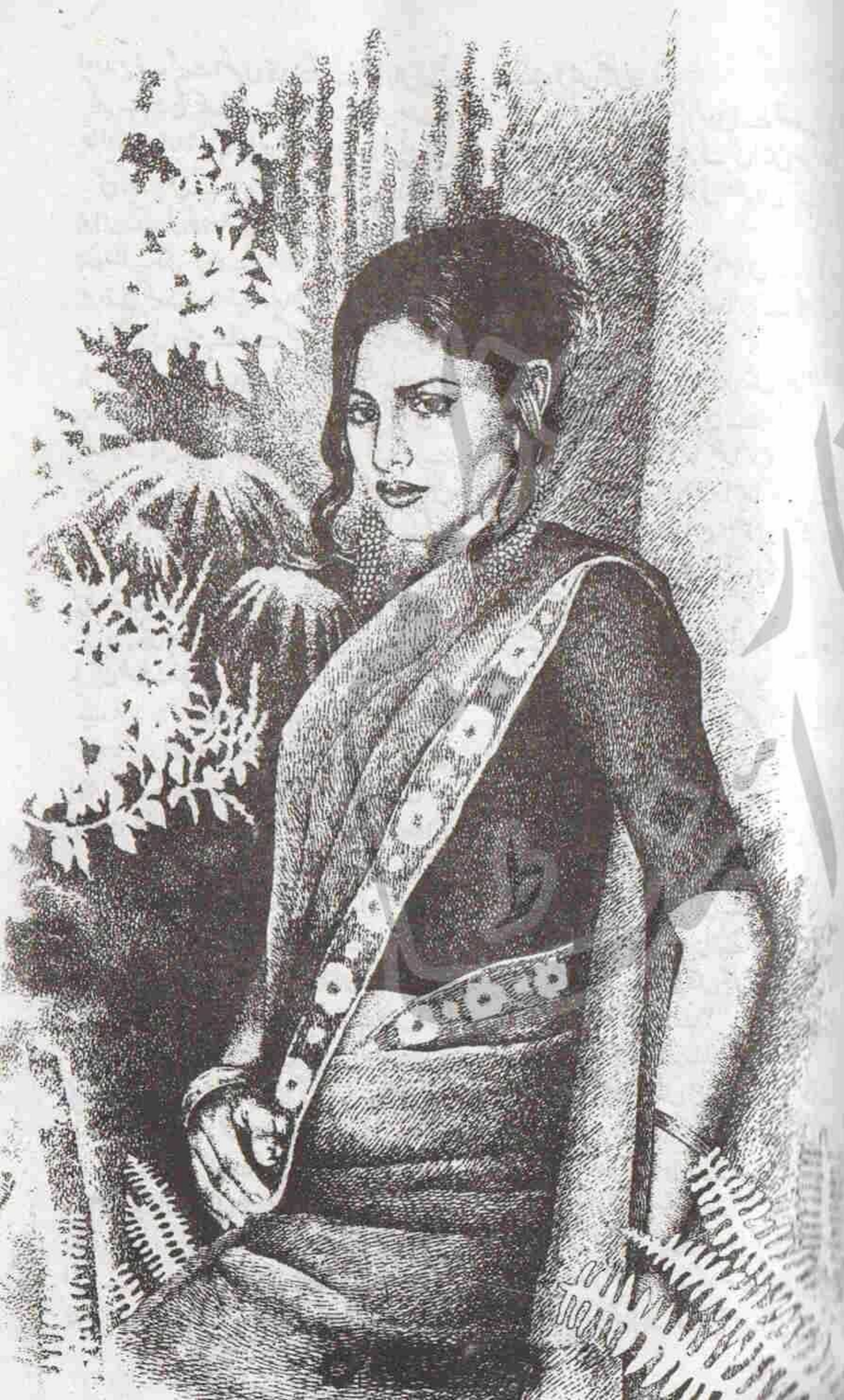
”ناشتہ کرو گی ایسی؟“ رابی نے اندر آ کر پوچھا۔

”نہیں، آکر دیکھوں گی۔“ اس نے دوپٹہ بیگ میں ٹھونسا اور چادر اوڑھنے لگی، اسی وقت

باہر گلی میں رکشے والے کی تیز کھٹی سنائی دی اور اس رکشے کی کھٹی بھی بس عجیب ہی تھی، جیسے چھوٹے بچے پستل چلاتے ہیں جن میں ڈھیر ساری آوازیں ریکارڈ ہوتی ہیں، پہلے عام سی کھٹی کی آواز آئی، پھر ایمبولینس کی کریمہ آواز گونجی اور پھر یکنخت ڈھیروں ڈھیروں فائرنگ ہونے لگی اور آخر میں یوں جیسے بجلیاں کڑک رہی ہوں اور بادل گرج رہے ہوں، اب بھی وہ دروازہ بجانے کی بجائے اپنے رکشے کی ٹیل دیے جارہا تھا اور یہ ٹیل ہمیشہ اسے افراتفری میں ڈال دیتی اب بھی اس نے نقاب کیا اور باہر بھاگی، مگر دروازے کی سمت جاتے وہ آواز لگانا نہیں بھولی تھی۔

”امی، ابو اللہ حافظ۔“ پیچھے سے امی کی آواز ”فی امان اللہ“ بھی اسے سنائی دی تھی۔ رکشہ میں بیٹھ کر اس نے بیگ گود میں رکھا

مکمل ناول



اور زیر لب آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی، ان کے گھر سے کان لگ کر سارے سات سے دس منٹ کا تھا اور یہ سارا رستہ وہ یا تو ٹریفک رگور کرتی رہی کبھی کبھار اس بے پناہ خوشی کو بھی محسوس کرتی رہی جو اس کے دل کو ہوا میں اڑائے جا رہی تھی، رکشہ نے سناپ لگایا تو وہ بے اختیار چونکی۔

فیروزہ کی گیسٹ اور سفید دیواریں، وہ دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی، چھوٹے سے گیراج کے ساتھ ہی یہ بڑا سا پرسپل کا آفس تھا، خوب چم چم کرتا اور ذرا سا ٹرن لے کر اندر داخل ہوئی تو خود کو صحن نما گراؤنڈ میں پایا، جہاں چاروں طرف کمرے تھے، سب سے پہلے اسے کیفے ٹیریا نظر آیا جہاں ماربل کی بہت وسیع و عریض میز تھی اور اس کے گرد کم و بیش سو کے قریب گول چیئرز دھری تھی وہ انہی میں سے ایک پر بیٹھ کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی، دائیں طرف فنکس اور کیمسٹری لیب تھیں اور بائیں طرف لمبی سی لائبریری، سامنے کے رخ پر کیفے ٹیریا روم تھا اور اس کے ساتھ کمپیوٹر لیب موجود تھی، وہ دوپٹہ اوڑھ کر خاموشی سے بیٹھی ادھر ادھر پھرتی طالبات کا جائزہ لینے لگی وہ میرون پیٹوں والے سفید یونیفارم اور میرون دوپٹوں میں ملبوس تھیں، کچھ نے سفید دوپٹے بھی شولڈرز میں اٹکائے ہوئے تھے، وہ ہنسی کھلکھلائی اوپر نیچے آ جا رہی تھی، کچھ نے اپنے بگڑے اور چادریں بمعہ عبائے اتار کر ٹیبل جہاں وہ بیٹھی تھی گرہ اوپر دھردئے تھے، دو چار نے اسے نوٹس بھی کیا مگر مخاطب کیے بغیر چلی گئیں، وہ اب اس پوزیشن میں بیٹھی بور ہو رہی تھی مگر اسے عطر تھکے آنے کا انتظار تھا اور اگر وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی تو عطر تھکے سے ڈھونڈتی رہتی اور نامعلوم یہ عمارت کتنی بڑی تھی، اسی لئے وہ بیٹھی رہی جب دو لڑکیاں جو غالباً فرسٹ ایئر سے تھیں اس کے قریب آ گئیں، ہلکے ہلکے ہنسی وہ لڑکیاں غالباً اسے کنفیوژ کرنا چاہتی تھیں، یا کسی شرارت

کے موڈ میں تھیں۔

”فرسٹ ایئر؟“ انہوں نے تصدیقی انداز میں پوچھا، اس نے صرف نفی میں سر ہلا لڑکیوں نے ابھٹن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”بی کام؟ بی اے؟“ انہوں نے باقی آپشن اس کے سامنے رکھے، اس نے پھر نفی سر ہلا دیا۔

”تو پھر کون سے ایئر میں ہو؟“ لڑکے جھنجھلا گئی تھی، بدتمیزی سے بولی۔

”ماسٹرز۔“ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔ اس کے جواب پر سکتے سا چھا گیا، ایک لڑکے نے دوسری کی طرف زبان دانتوں تلے دبایا دیکھا اور دوسری نے اس کی طرف، پھر ایک زبان ہو کر بولیں۔

”سوری آپ۔“ کھلکھلاتی ہونیں وہ پچھا گئیں۔

اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی، اب اس کو یہاں بیٹھے پچیس منٹ گزر چکے تھے مگر عطر کا ہنوز کچھ پتا نہیں تھا، اس نے کوفت سے سر جھکا جب اسے آفس سے ایک نیچر باہر آتی دکھا دیں، وہ فوراً اٹھ کر ان کی طرف آ گئی۔

”السلام وعلیکم میم۔“ اس نے کہا۔

”علیکم السلام۔“ انہوں نے سر ہلایا۔

”میم! مجھے روم کا پتا نہیں چل رہا؟“

”روم؟ ایئر کون سا ہے؟“

”ماسٹرز۔“ اس نے بتایا۔

ان کی آنکھوں میں حیرت لہرائی، انہوں نے بغور اسے سر سے پیر تک دیکھا، غالباً انہیں یقین نہیں آیا تھا، تاہم انہوں نے اسے بتا دیا۔

”تھرڈ فلور، روم نمبر سلس۔“

”تھنک یو میم۔“ وہ واپس مڑ گئی، بیگ اور چادر اٹھائی اور سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی سیڑھیاں تھیں کہ ختم ہی نہ ہو رہی تھیں اس کا ذہن

کے موڈ میں تھیں۔

”فرسٹ ایئر؟“ انہوں نے تصدیقی انداز میں پوچھا، اس نے صرف نفی میں سر ہلا لڑکیوں نے ابھٹن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”بی کام؟ بی اے؟“ انہوں نے باقی آپشن اس کے سامنے رکھے، اس نے پھر نفی سر ہلا دیا۔

”تو پھر کون سے ایئر میں ہو؟“ لڑکے جھنجھلا گئی تھی، بدتمیزی سے بولی۔

”ماسٹرز۔“ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔ اس کے جواب پر سکتے سا چھا گیا، ایک لڑکے نے دوسری کی طرف زبان دانتوں تلے دبایا دیکھا اور دوسری نے اس کی طرف، پھر ایک زبان ہو کر بولیں۔

”سوری آپ۔“ کھلکھلاتی ہونیں وہ پچھا گئیں۔

اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی، اب اس کو یہاں بیٹھے پچیس منٹ گزر چکے تھے مگر عطر کا ہنوز کچھ پتا نہیں تھا، اس نے کوفت سے سر جھکا جب اسے آفس سے ایک نیچر باہر آتی دکھا دیں، وہ فوراً اٹھ کر ان کی طرف آ گئی۔

”السلام وعلیکم میم۔“ اس نے کہا۔

”علیکم السلام۔“ انہوں نے سر ہلایا۔

”میم! مجھے روم کا پتا نہیں چل رہا؟“

”روم؟ ایئر کون سا ہے؟“

”ماسٹرز۔“ اس نے بتایا۔

بھی اس کی کان لگ فیلو تھی۔

اب کلاس روم میں کل چھ لڑکیاں موجود تھیں، انہیں انتظار تھا کہ کچھ مزید بھی آئیں گی مگر انتظار، انتظار ہی رہا، یہاں تک کہ فرسٹ پیریڈ کی بیل بج گئی، اب وہ سب نہایت خاموشی سے فرسٹ روم پر موجود چیئرز پر بیٹھ کر متوقع سچر کا انتظار کر رہی تھیں، جب ایک بار پھر پردہ ہٹا اور سر اندر داخل ہوئے، ساری کلاس کھڑی ہو گئی۔

”گڈ مارننگ ماسٹرز۔“ انہوں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا اور روسٹرم کی طرف بڑھ گئے۔

”گڈ مارننگ سر!“ سب نے کورس میں کہا۔

ایم اے انگلش کی تعارفی کلاس شروع ہو گئی، سب سے پہلے نمبر پر موجود لڑکی ”نوزیہ امجد“ نے اپنا تعارف کروایا، وہ ایک صحت مند، سرخ و سفید اور چائیز آنکھوں والی خوش مزاج لڑکی تھی، جس کی حیرت انگیز حد تک شاندار حس مزاج دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ وہ بی ایس سی کر کے آئی تھی، جب وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی تو باقی لڑکیوں کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پسندیدگی نظر آتی تھی۔

دوسرے نمبر پر ”مقدس النساء عائشہ یعقوب“ تھی، جس کا وسیع و عریض نام آنے والے دنوں میں سب کے لئے ایک سورس آف انجوائے منٹ بن گیا تھا، وہ سمارٹ سی لڑکی تھی جس کے کمر سے نیچے آتے پال سلی سیاہ اور خوبصورت تھے، وہ خوش شکل تھی اور چہرے پہ موجود ڈھیر ساری معصومیت دیکھ کر وہ ماسٹرز کی بجائے میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی تھی، اس کا لہجہ بہت موڈب اور دھیما سا تھا۔

تیسرے نمبر پر ”عطیرت مشتاق احمد“ تھی وہ سب سے زیادہ دراز قد تھی، اس کے چہرے پر ایک دو نہیں تین ڈمپل تھے، دونوں گالوں کے ساتھ ساتھ اس کی پیاری سی ٹھوڑی بھی ڈمپل

بھی اس کی کان لگ فیلو تھی۔

اب کلاس روم میں کل چھ لڑکیاں موجود تھیں، انہیں انتظار تھا کہ کچھ مزید بھی آئیں گی مگر انتظار، انتظار ہی رہا، یہاں تک کہ فرسٹ پیریڈ کی بیل بج گئی، اب وہ سب نہایت خاموشی سے فرسٹ روم پر موجود چیئرز پر بیٹھ کر متوقع سچر کا انتظار کر رہی تھیں، جب ایک بار پھر پردہ ہٹا اور سر اندر داخل ہوئے، ساری کلاس کھڑی ہو گئی۔

”گڈ مارننگ ماسٹرز۔“ انہوں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا اور روسٹرم کی طرف بڑھ گئے۔

”گڈ مارننگ سر!“ سب نے کورس میں کہا۔

ایم اے انگلش کی تعارفی کلاس شروع ہو گئی، سب سے پہلے نمبر پر موجود لڑکی ”نوزیہ امجد“ نے اپنا تعارف کروایا، وہ ایک صحت مند، سرخ و سفید اور چائیز آنکھوں والی خوش مزاج لڑکی تھی، جس کی حیرت انگیز حد تک شاندار حس مزاج دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ وہ بی ایس سی کر کے آئی تھی، جب وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی تو باقی لڑکیوں کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پسندیدگی نظر آتی تھی۔

دوسرے نمبر پر ”مقدس النساء عائشہ یعقوب“ تھی، جس کا وسیع و عریض نام آنے والے دنوں میں سب کے لئے ایک سورس آف انجوائے منٹ بن گیا تھا، وہ سمارٹ سی لڑکی تھی جس کے کمر سے نیچے آتے پال سلی سیاہ اور خوبصورت تھے، وہ خوش شکل تھی اور چہرے پہ موجود ڈھیر ساری معصومیت دیکھ کر وہ ماسٹرز کی بجائے میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی تھی، اس کا لہجہ بہت موڈب اور دھیما سا تھا۔

تیسرے نمبر پر ”عطیرت مشتاق احمد“ تھی وہ سب سے زیادہ دراز قد تھی، اس کے چہرے پر ایک دو نہیں تین ڈمپل تھے، دونوں گالوں کے ساتھ ساتھ اس کی پیاری سی ٹھوڑی بھی ڈمپل

سے بھی تھی، اس کے چہرے پہ معصومیت کی اتنی فراوانی تھی کہ اسے بڑے سکون سے میٹرک کی اسٹوڈنٹ سمجھا جاسکتا تھا، وہ سلیقے سے دوپٹے اوڑھے سمارٹ سی لڑکی تھی جو اپنا تعارف کرواتے ہوئے سرخ ہوئے جا رہی تھی۔

چوتھے نمبر پر ”ام ایمان احمد“ تھی، گندی رنگت پر کالی آنکھیں اور دائیں گال پر پڑنے والے ڈمپل کے ساتھ اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جو نکادیتا تھا، وہ بہت پر اعتماد انداز میں اپنا تعارف کروا رہی تھی، بی اے فراہم گورنمنٹ کالج۔

سراقبال نے بغور اس کے انداز کو دیکھتے ہوئے اس سے ایم اے انگلش میں داخلے کا محرک پوچھا تھا۔

”سر! ان فیکٹ میں اردو نکلشن راسٹر ہوں، مجھے لگتا ہے کٹر پچ میری فیلڈ کے لئے ہیپل مل ہو گا۔“ وہ بڑے ہموار انداز میں بنا ٹکیوڈ ہوئے بولی تھی۔

جس پہ عطر اور مقدس کے سوا ساری کلاس کی گردیں اس کی طرف مڑ گئیں، سراقبال بھی چند لمحے بے یقینی اور حیرانی سے اسے دیکھتے رہے پھر ان کے پیرے پہ ایک گہری مسکراہٹ آ گئی۔

”ماسٹر! پلیز کلیپ فار دس بیک گرل۔“ انہوں نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔
یکدم ساری کلاس تالیوں سے گونج اٹھی، ام ایمان کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

”میشن ناٹ، کیا آپ بتا سکتی ہیں آپ کب سے لکھ رہی ہیں؟“ انہوں نے دلچسپی سے پوچھا، موضوع یکدم توجہ اختیار کر گیا تھا۔

”سر! میں تھرڈ ایئر سے لکھ رہی ہوں تو اس حساب سے لکھتے ہوئے مجھے قریباً ڈیڑھ سال ہو چکا ہے۔“

”دیری گڈ، کیا آپ اس فیلڈ میں آ جانے کا ارادہ رکھتی ہیں آئی مین کوئی بکس وغیرہ بھی لکھیں گی؟“

”بالکل سر! ان فیکٹ میری ایک کتاب تیار کے مراحل میں داخل ہو چکی ہے، ان کے علاوہ جلد مارکیٹ میں آئے گی۔“ وہ نیا انکشاف رہی تھی، سرائیک دم پر جوش نظر آنے لگے تھے۔

”Vell, we have a talent and genius like you, we are lucky“ اس کی ڈمپل والی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

اب وہ اس سے مزید چھوٹی چھوٹی بات پر بڑی تفصیل سے پوچھ رہے تھے جن کے وہ بڑے نسلی بخش جواب پوری جزئیات کے ساتھ دے رہی تھی، ام ایمان یکدم ہی سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی، اس کے بعد ”عائشہ عبدالرزاق“ تھی، وہ بھی بڑی پیاری لڑکی تھی، اس کے چہرے

پہ سب سے زیادہ خاص چیز اس کی مولی مولی آنکھیں تھیں جن میں باریک کاجل کی لکیر غصہ ڈھا رہی تھی، وہ ماڈل ٹاؤن کالج سے بی اے کر کے آئی تھی۔

آخری اسٹوڈنٹ ”وردہ فضل محمود“ تھی،

سانولی رنگت والی باتیوں کی نسبت (اس نے) میں فوزیہ احمد بٹ کو شامل نہ کیا جائے) قدر کی کمی سی تھی، وہ ذرا ٹھہر کے بات کرنے کی بجائے تھی، اس کی خصوصیت اس کی مولی سی لمبیں تھیں جو اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں بالکل کسی روا ہیر وٹن کی طرح، وہ انہیں بات کرنے کے دوران بار بار کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی اور یوں اسے انگلش کی تعارفی کلاس اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆

ایک نیا روشن دن اس کے استقبال لئے تیار تھا، وہ مسکراتی ہوئی تیز تیز میز پر چڑھتی گئی، اف یہ تھرڈ فلور، نورنی نائن میٹر

”تمہیں لگتا ہے تم ایڈ جسٹ کر لو گی؟“ وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

”کرنا بڑے گایار! آخر اتنے چار جز بھر ہیں۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”دیری گڈ، دیش واسپرٹ۔“ اس نے ڈاکس پہ ہاتھ مارا تھا۔

”عطر کا تو مجھے بتا ہے اسے خط تھا ایم اے انگلش کا۔“ وہ اب مسکراتے ہوئے عطر کی طرف رخ کیے ہوئے تھی، جس نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے خیر مقدمی انداز میں ہاں کی تھی۔

”ویسے ”مقدس النساء عائشہ یعقوب قاری“ آپ کا اس طرف آنے کا کیسے پروگرام بن گیا؟“ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

اس کے والد ”قاری“ تھے، اب ایکی کے پوئلہ اس کا پورا نام لینے پر کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی تھی۔

”مقدس النساء عائشہ یعقوب قاری“ اف خدا کا خوف کرو کیاں یہ نازک سی لڑکی اور نام اتنا بھاری بھر کم، یوں لگتا ہے اکٹھے پانچ چھ لوگوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔“ فوزیہ نے دہانی دی تھی، جبکہ مقدس بس لمبے جا رہی تھی۔

”میرے ابوجی کا کہنا تھا کہ مجھے انگلش میں ہی ماسٹر کرنا ہے پھر وہ مجھے اپنے پاس سعودیہ بلا لیں گے، وہاں بہت ڈیماٹڈ ہے یار انگلش کے پچر زکی۔“ مقدس نے اسے ارادے بتائے۔

”دیری گڈ، یعنی تم تو ہمیں داغ مفارقت دے جاؤ گی۔“ ایمان نے کہا۔

”یہ تو بس ارادے ہیں یار! آگے دیکھو جو رب کو منظور۔“

”پھر ٹھیک ہے اور یاد رکھنا بندے کے ارادے کچھ اور ہوتے ہیں اور رب کے کچھ اور۔“ ایمان نے کہا۔

اس کی ٹانگیں جواب دینے لگیں تھیں، روم نمبر کلاس کے سامنے رُک کر اس نے ایک طویل سانس لی اور اندر داخل ہو گئی۔

گلابی سی صبح، شرابی سی ہوا اندر سے اٹھی، گنگناہٹ بڑی بلند تھی، وہ زریب مسکرا دی۔

”اوہ..... ہماری کلاس میں شکر بھی موجود ہے۔“ اس نے صرف سوچا تھا کہا نہیں، گنگناہٹ نے

”فوزیہ احمد بٹ“ تھی، اس نے سب سے

”امام لی اور اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔“

”تمہاری آواز اچھی ہے فوزیہ! بس ذرا آواز ہے۔“ اس نے بے تپختی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا کروں یار؟ میرے ساؤنڈ بکس میں کچھ کا بن رہا ہے ہی نہیں۔“ وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی، وہ ہلکھلا دی۔

”اتنی حقیقت پسندی؟“

”ہاں۔“ وہ زور سے ہنس پڑی۔

”بے ایمان تمہارا نام کافی لمبا ہے اگر کچھ مختصر کر دوں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہو

”تم مجھے ایسی کہہ سکتی ہو۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔

”دیری گڈ، بہت پیارا نام ہے۔“

”شکریہ ویسے فوزیہ! میں ایک بات کہوں، تم سب سے۔“ اس نے ڈاکس کے

”بٹ بٹ بٹ“ ہو کر سب کو مخاطب کیا، سب نے

”سب سے پہلے تم فوزیہ! آخر کیا سوچ کر تم

”ایم اے انگلش میں ایڈیشن لیا؟ یار دیکھو تم

”لی ایس کی ہوئی ہے آخر تم اسی فیلڈ میں

”ہاں یہ تو ہے۔“ مقدس نے کہا۔
 ”اور تم وردہ! تم بھی کچھ بول دو۔“ اس نے اپنی لٹ سنواری وردہ کو مخاطب کیا۔
 ”مجھے ایم ایس سی میں ایڈمیشن نہیں ملا! اسی لئے مجھے یہ سمجھوتہ کرنا پڑا۔“ وہ افسردگی سے بولی تھی۔
 ”ایم ایس سی؟ کس میں؟“ وہ چونکی۔
 ”سائیکالوجی میں۔“

”اودہ اچھا کوئی بات نہیں بھی، ہمیں یوں ہی ماننا تھا۔“ ایپی نے زلسلی دی۔
 ”اور یہ آپ محترمہ عائشہ عبد الرزاق یہ کجبراری اور غزالی آنکھوں کے سارے استعارے اور نہیں آپ کی آنکھوں کے لئے ہی بنے ہیں یقیناً، آپ بھی اپنے بارے میں کچھ فرما دیجئے۔“ وہ شرارت سے کہہ رہی تھی، عائشہ کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔
 ”نیکمیر تو کچھ بھی کرنے کا موڈ نہیں مگر امی نے کہا تمہیں کم از کم ایک ماسٹر ڈگری پڑیگا۔“ وہ بے نیازی سے بولی، ایک تہقہہ پڑا تھا۔
 ”واہ..... واہ..... کیا بات ہے؟“ نوزیہ نے سر دھنا۔
 ”یار! واقعی؟“ مقدس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”ارے نہیں بھئی، میرا تو پلٹیکل سائنس میں ماسٹر ڈگری کا خواب تھا مگر وہی یونیورسٹی، وہی کو ایجوکیشن، بس پھر وردہ کی طرح سمجھوتہ کرنا پڑا۔“ وہ طویل سانس لے کر بولی تھی۔
 ”حوصلہ..... حوصلہ یار!“ نوزیہ نے اس کی کمر تھپتی۔

”یہ سب چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ تم لوگ جس طرح آتی ہو بلکہ بھیجی گئی ہو، کچھ کرنے کا موڈ بھی ہے یا Just for killing time۔“ اس نے نیکیے انداز میں پوچھا۔
 جواباً احتجاجی آوازیں ابھری تھیں۔

”نہیں، کرنا ہے، کیوں نہیں، کرنا پڑ گا۔“ وغیرہ وغیرہ۔

اسی شور و غوغا میں سر اقبال نے اندر دکھا، ساری کلاس الٹ ہو گئی جبکہ ایپی بھی نشست پر جم گئی تھی، انہوں نے رسا سب حال چال پوچھا اور پھر کا آغاز کر دیا، وہ انجیل Classical poetry اور prose پر رہے تھے، انہوں نے پڑھانے کے لئے سے پہلے پونٹری میں Chaucer کو چوز کیا وہ بکس اور نوٹ بس پھیلائے انھوں میں پوائنٹ تھا سہ دم بخود حیرت سے گنگ آ رہے دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا تھا؟ اور اگر کچھ ہو رہا تھا تو کیا تھا؟“ یہ اگر پوچھتا تو ان کا رونے کا دل رہا تھا وہ بات کر رہے تھے کلاسیکل رائٹرز کی مثالیں دے رہے تھے پنجابی گانوں کی ڈسکس کر رہے تھے Chaucer کا انٹروڈ اور مثالیں دے رہے تھے پیروڈی اشعار کی۔
 پینتالیس منٹ کا پچھڑے پینتالیس گھنٹہ یہ محیط ہو گیا تھا، وہ پیرایڈ تہم ہونے کے سبب کت سی اپنے سامنے پڑی خالی نوٹ بکس دیکھتی رہ گئیں۔

”کس کو کچھ سمجھ آئی؟“ عطر نے روکتے ہوئے سب کی شکلیں دیکھیں جو سہ نشان بنی ہوئی تھیں۔
 ”یہ پچھرتھا؟“ نوزیہ نے لب بھیج کر ضبط کرتے ہوئے نجانے کس سے سوال کیا تھا۔
 ”پتا نہیں کون سی خلائی زبان میں سر پہ کر گئے ہیں، مجھے تو کچھ بلے نہیں پڑا۔“ یہ تھی، سخت صدمے کے زیر اثر۔

”یار! وہ جو Chaucer کا انٹروڈ کا شعر پڑھا تھا سرنے، وہ کسی نے نوٹ کیا ہو تو بھی لکھوا دے۔“ وردہ نے سادگی سے کہا۔
 ایپی کو وہ پیروڈی شعر یاد آ گیا جسے سن کر اس نے

ادبی ذوق رکھنے والی لڑکی کا دل چاہا تھا وہ دیوار سے سر پھوڑ لے۔

”وردہ!“ ایپی نے اسے گھورا۔
 نوزیہ نے محفوظ ہونے والی نظروں سے اسے دیکھا پھر شرارتی انداز میں مسکرائی۔
 ”وردہ! مجھے وہ شعر یاد ہے جو انہوں نے Chaucer کی ڈیجھ بر تبصرہ کرتے ہوئے پڑھا تھا، لکھو۔“ نوزیہ تین کرکٹری ہو گئی۔
 دل سے نکال دیجئے احساس آرزو سر جائے کسی کی تمنانہ کیجئے ”نوزیہ!“ ایپی چلائی تھی، پوری کلاس تہقہوں سے گونج اٹھی تھی جبکہ وردہ حیرت سے سوچ رہی تھی آخر Chaucer کو کس کی تمنا تھی؟

☆☆☆

”ملت سائنس کالج“ کا شمار شہر کے چند بہترین اداروں میں ہوتا تھا، ان کا ایم اے انگلش کا یہ پہلا بیچ تھا اور وہ اسے لے کر اتنے ہی کانٹے تھے جتنا کہ ہونا چاہیے تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی بھرپور کوشش کر رہے تھے کہ طالبات کو اچھے ماحول، سہولیات کے ساتھ ساتھ اچھے اور بہترین استاد بھی فراہم کیئے جائیں، اسی جدوجہد کے سلسلے کی دو کڑیاں سہ راحت بٹ اور مسز عظمیٰ فرہاد تھیں۔

دونوں اساتذہ کو خاص طور پر ماسٹرز کے لئے اپائنٹ کیا گیا تھا، سہ راحت بٹ انہیں American literature پڑھا رہے تھے، انہوں نے چار ماسٹرز کیئے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ بیچنگ کے کئی ڈپلومے کیئے ہوئے تھے، ان کی قابلیت میں کوئی شبہ نہیں تھا، وہ ایک نرم دل اور نرم مزاج انسان تھے، وہ حتیٰ کے قاتل تھے مگر ان کے اندر کوئی ایسا شیر بیٹھا تھا جو بڑے پیار سے طالب علموں کو راہ راست پہ لے آتا تھا، وہ سنوڈنٹس کی خالی کھوپڑیاں کھولنا

جانتے تھے اور ان میں سے بھوسہ نکال کر اپنے دیو پوائنٹ کو ڈالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، مشکل سے مشکل پچھڑ بھی اتنی دلچسپی اور چابک دستی سے ڈلیور کرتے کہ وہ حیران رہ جاتیں۔
 دوسرے نمبر یہ مسز عظمیٰ فرہاد تھیں، بہت خوبصورت لب و لہجے کی مالک، چٹک چٹک میچر تھیں، وہ بالکل فریش ماسٹرز کر کے آئیں تھیں اور ان کی استاد سے زیادہ دوست لگتی تھیں، وہ ہر چیز کو اتنی تفصیل سے ڈسکس کرتیں کہ کسی قسم کی کمی باجی باقی نہ رہتی، وہ انہیں ڈرامہ اور ناول کے سبجیکٹ پڑھا رہی تھیں۔

یوں تین پچھڑ اور چھ سنوڈنٹس کے اشتراک سے ”ملت سائنس کالج“ کا پہلا بیچ شارٹ ہو گیا، باقی رہ گئیں وہ چھ مختلف سمتوں کی جانی، مزاجوں میں تضاد اور دلچسپیوں کے فرق کے باوجود وہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوتی گئیں۔ اور جوں جوں وہ قریب آتی گئیں، مزاجوں سے ساری برائییں ہٹتی گئیں، نوزیہ امجد بٹ اپنی کشمیر اور خالص بٹ نیکی سے حلق پرکھنے والی نوزیہ جو کھانے پینے کے از حد شوقین تھی، جس کے دو ہی شوق تھے، کارٹونز دیکھنا اور ٹافیاں کھانا۔

عطر متشاق احمد، ایک کم گو اور مخلص لڑکی جو ایپی کو کسی سے زیادہ دیر بات کرنا دیکھ لیتی تو افسردہ ہو جاتی، حد سے زیادہ پوزیو اور معصوم، جس کا صرف ایک ہی شوق تھا، ”پڑھنا“ اس کے بعد ”مقدس النساء عائشہ“ تھی، بظاہر معصوم اور دھیمہ سالب و لہجہ رکھنے والی مگر درحقیقت حد سے زیادہ صاف گو، خطرناک حد تک طنز یہ انداز گفتگو کرنی وہ کسی کے بھی جھکے جھڑا سکتی تھی، بس اسے چھیڑنے کی ذمہ داری نہیں اور پھر چھیڑنے والی بھگتنا رہ جاتا، مگر حد سے زیادہ مخلص اور پیار کرنے والی، جو دوستی میں جان بھی دے سکتی تھی، مگر جب خطرناک موڈ میں ہوتی تو اس کے

کوئی نہیں بچ سکتا تھا، اس کے بعد ”وردہ فضل محمود“ تھی، وہ خاموش طبع اور الگ تھلگ رہنے والی لڑکی تھی، جس کی عادتوں اور مزاج کے بار میں واضح طور پر کچھ کہنا مشکل تھا، دوسری طرف ”عائشہ عبدالرازق“ بھی کسی حد و ردہ کے قیل سے ہی تعلق رکھتی تھی، وہ دونوں درحقیقت ان کے گروپ کے سائنٹ ممبرز تھیں۔

اور سب سے آخر میں ”ام ایمان احمد“ جس کی انفارمیشن اور نالج سب کے لئے حیران کن تھے، ایسے ہر پچھر میں اپنے منٹس دینے کی عادت تھی اور اس کا حیران کن حد تک بڑھا ہوا اعتماد اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، وہ بھی ایک خوش مزاج، باتونی، صبر و اجر اور کسی حد تک قناعت پسند لڑکی تھی۔

اور یہی ”ایم“ جو ایمیشن کے وقت سوچتی تھی کہ خدا معلوم کیسی لڑکیاں ہوں گی؟ اب خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ اتنی اچھی سہیلیوں کے ساتھ میسر آیا تھا جو حقیقتاً چاہے جانے کے قابل تھیں، وہ ہر ایک سے ایک سا سلوک کرتی تھی مگر عطر ان سب سے الگ تھی، وہ دونوں گزشتہ چھ سالوں سے ساتھ تھیں، اب تو وہ درحقیقت ایک دوسرے کی آنکھ کا اشارہ بننے لگی تھیں، اس کے لئے عطر سب سے خاص تھی، سب سے اہم تھی، عطر بھی اس پہ جان چھڑکتی تھی۔

الغرض قافلہ چل بڑا تھا اور لیڈر مقرر ہوئی تھی ام ایمان وہ ان لوگوں میں سے تھی جو پیدائشی قائدانہ صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ سے کلاس کی مانیٹر، ہیڈ گرل اور سی آر جی جانی رہی تھی اور اب اس لیول پر آکر تو اسے اس پروڈیوکل کی عادت ہو چکی تھی، اس کے لئے کچھ نیا نہ تھا وہ اس سب کی عادی تھی اس کے لئے یہ سب معمول کا حصہ تھا، تاہم ماسٹرز میں آکر بھی اسے سی آر جی نہ گیا تو وہ قدرے بھجھلا سی گئی، بار

بار ایک ہی عہدے پر ترقی و زراء بھی اکتا جاتے ہیں وہ تو پھر نازکی سی لڑکی تھی، تاہم انکار کا سوال ہی نہ تھا اسے مسز عظمیٰ فرہاد نے ”سی آر“ چنا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ باتونی تھی مگر فوزیہ تو اس سے دس ہاتھ آگے تھی، فوزیہ صرف شاندار جس مزاج ہی نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ مذاق اڑانا اور نقل اتارنا میں بھی مہارت رکھتی تھی، ”نقل بمطابق اصل“ اس کی گارنٹی تھی اور وہ اتنی فریکٹ نقل اتارنی کہ حقیقت کا گمان ہوتا وہ ہنس ہنس کر ہانگل ہو جاتیں جبکہ وہ سنجیدگی سے ”سراقبال“ بنی انہیں پختائی گانے سنار ہی ہوتی۔

انہی کو لگتا تھا کہ وہ صاف گو ہے مگر مقدس کی صاف گوئی کے آگے وہ خود بھی گڑبڑا جاتی، وہ بات کو منہ بہ مارنے کی عادی تھی خواہ اگلا کتنا بھی ماسٹر کرتا، بعض اوقات تو پچھر بھی اس کے ہتھے چڑ جاتے۔

ایک کو لگتا تھا وہ مخلص ہے مگر عطر کو دیکھ کر اسے رونسا آ جاتا وہ اتنی پیاری اتنی خاص تھی کہ ایک کو اپنی قسمت پہ رشک آتا اسے اتنے چاہنے والے پر غلوس اور سچے دوست ملتے تھے۔ وردہ یوں تو کم گو تھی اور کسی حد تک الگ تھلگ بھی مگر اس میں اس کی شخصیت کا سارا حسن تھا، اہی کو وہ بھی بڑی عزیز تھی، رہ گئی عائشہ تو اسے دیکھ کر تو اس کی جھیل سی آنکھوں میں ڈوبنے کا دل کرتا تھا، باتیں کرنا کس کم بخت کو یاد رہتا تھا، اس کی تو آنکھیں باتیں کرتی تھیں وہ بھی کم گو تھی مگر اتنی نہیں کہ کسی بات میں حصہ ہی نہ لے، ایسی سے اس کو بھی خصوصی الفت تھی، چاہتوں اور محبتوں سے سجا یہ سفر بخیر و عافیت شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سراقبال کا پیریڈ چل رہا تھا اور وہ سب یوں بیٹھی تھیں گویا شیر پچھرے میں بند کر دیا گیا ہو، چہروں پہ ایسی مظلومیت جیسے ایتھوپیا کے قحط زدہ

مہاجرین میں سے ہوں، آنکھیں نیند سے بے حال اور جمائیوں پہ جمائیاں، سونے پہ سہاگہ یہ کہ سر کی ڈیمانڈ تھی کہ ان کے پچھر کے انیم پوائنٹس لوٹ کئے جائیں اور دوران پچھر سے کسی قسم کا سوال نہ کیا جائے نہ انہیں کچھ بتانے کی جرأت کی جائے، گزرا یہی کا کیا کیا جائے جو خود کو مجبور پانی تھی، اسے تو سب پچھر کے پچھر کے دوران اسٹیشن کی عادت تھی مگر سر کا حکم، اس کا کیا کیا جائے؟ ممتز ادا ان کی ڈیمانڈ تھی کہ دوران پچھر صرف انہی کی طرف متوجہ رہا جائے، اکثر یوں ہوتا کہ وہ وردہ کو ڈانٹتے۔

”وردہ! آپ ذہنی طور پہ حاضر نہیں ہیں خیریت؟“ اور فوزیہ سے تو انہیں خدا واسطے کا پیر تھا۔

”فوزیہ! لک ایٹ می۔“ بے چاری فوزیہ تلملا کر رہ جاتی مگر کیا کرتی، البتہ ایسی سے وہ بھی نہیں الجھتے تھے، ایک تو وہ سارا وقت ان کی طرف متوجہ رہتی تھی دوسرے خاموش رہ رہ کر اس کے چیزے بھی دکھنے لگتے تھے، اس لئے وہ دانت بھینچ کر صرف انہیں ہی دیکھا کرتی، اس بات سے قطع نظر کہ ان کا پچھر اپر چیئر میں جا رہا تھا، دو فٹ اوپر سے ہی فلائی کر رہا تھا۔

ایک باریوں ہوا کہ پچھر ختم ہونے کے بعد سدا کی خاموش طبع عائشہ نے سر سے کسی ورڈ کا معنی پوچھ لیا اور فوزیہ جو Meanings کے پچھے ہانپ رہی تھی، ایسا ممکن ہی نہ تھا کہ اسے کسی ورڈ کے معنی نہ آتا ہو، اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو بھی جاتا تو وہ اپنے بال نوچنے پہ آ جاتی، خیر بے چاری فوزیہ چھٹ سے اپنی غلیٹ جھاڑنے کے چکر میں ”مٹی بتانے لگی تھی جب سر نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔“

”Fozia! let me speak“

فوزیہ اس قدر شرمندہ کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں

سما جائے، اس نے سرخ چہرے کے ساتھ خود پہ قابو پا کے بس اتنا ہی کہا کہ ”جی سر“ اور سر جھکا لیا۔

سب نے اپنی ہنسی دہالی تھی اور اس دن وہ سارا وقت فوزیہ کا مذاق بناتی رہیں، وہ کچھ بولنے کی کوشش کرتی تو چھٹ سے کوئی نہ کوئی دخل دے دیتی۔

”لٹی سپیک فوزیہ۔“

(مجھے بولنے دو فوزیہ) اور وہ دھاڑ اٹھتی۔

آج بھی ایسا ہی بور دن تھا، Prose کا پیریڈ تھا، سراقبال نے انہیں سب سے پہلے فرانس بیکن شروع کروایا تھا، اب خدا معلوم وہ رائٹر ہی خشک تھا یا سر کا بڑھانے کا طریقہ کہ بیکن سے وہ سب ہی بھاگ گئے لگیں، ان کا موڈ ہوتا کہ یہ پیریڈ آئے ہی نہ، مگر ادھر تیل جتی ادھر سے سر حاضر اور ان سب کی جان شلجے میں آ جاتی سب کی کلاہٹوں میں ریٹ واپز ہوتی تھیں مگر سامنے دیوار پہ کبھی گھڑی کو بار بار دیکھ کر کسی کی جانی کہ آخر کار تو پیریڈ ختم ہو ہی جائے گا۔

آج بھی ایسی نے چپکے چپکے دس مرتبہ گھڑی دیکھی اور آخر کار ضبط نہ کرتے ہوئے دیوار پر موجود کلاک پر نظر دوڑانے کی جرأت کر لی اور بیٹیں سے سر نے اسے دیکھ لیا۔

”کیا بات ہے ایمان! بور ہو رہی ہیں۔“ انہوں نے نور اُپوچھا۔

”نور!“ اس نے گڑبڑا کر کہا، پچھر دوبارہ سے سٹارٹ ہو گیا۔

وہ پچھر سے سر کی طرف متوجہ ہو گئی، مگر دس منٹ تھے کہ گزر ہی نہ رہے تھے اس نے بھنجلا کر ریٹ واپز سے ٹائم دیکھا۔

”دلی ہنوز دور است۔“ سر نے اسے دیکھ

کر بڑے طنز پہ انداز میں کہا تھا۔

کلاس میں دبی دبی ہلکھلا بیٹیں گونج اٹھیں،

ایمی نے جھلا کر سر جھکا لیا تھا اور جیسے ہی پیر بدختم ہوا سر باہر گئے، ایمان کا وہ مذاق اڑا گیا کہ حد نہیں وہ پھولے منہ کے ساتھ سب کو گھورتی رہی۔

”شرم کرو، بدتمیزو! مروت، بے وفا، بے مروت، غدار اور.....“ اسے جلدی میں اور کوئی لقب یاد نہ آیا، سب کے قہقہے اسے خفیف سا کر گئے۔

”یار! میرا تو خیال تھا کہ تم فارسی میں کوئی پھر کتا ہوا جواب دو گی، آخر تم نے بی اے میں آپشنل فارسی کا سبیکٹ رکھا تھا۔“ مقدس نے اپنی طنزیہ ٹون میں کہا۔

”جواب تو مجھے ایسا آتا تھا کہ سر سنتے تو تڑپ اٹھتے۔“ وہ دانت بچھنچھن کر بولی۔

”تو پھر دیا کیوں نہیں؟“ وہ سب چلا ہی تو پڑیں تھیں۔

”بس! بارہ کچھ زیادہ ہی ہو جاتا۔“ وہ قدرے ہچکچائی۔

”اچھا، ایسا کون سا جواب تھا؟“ فوزیہ نے دلچسپی سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

جواب جاہلان خاموشی باشد اس کے کہنے پر چند سیکنڈز کے لئے تو سکتے چھا گیا پھر وہ ہا ہا کارہی کے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، سر راحت کی کلاس سے پہلے تک وہ اسی موضوع میں مصروف رہیں، ایک بات پر تو وہ سب متفق تھیں، سر کی سمجھ کسی کو بھی نہیں آتی تھی، اپنا یہ دکھ وہ بیسیوں بار اپنے بانی دونوں پروفیسرز سے شیئر کر چکی تھیں اب تو وہ عادی ہو گئے تھے، البتہ وہ انہیں سمجھاتے ضرور تھے کہ وہ سب اقبال کے ساتھ اپنی کیمسٹری میچ کرنے کی کوشش کریں اور کچھ محنت خود سے بھی شروع کر دیں خصوصاً ان دو جیمکس پہ جو سر اقبال پڑھا رہے تھے، مگر یہ اونٹ کسی کر وٹ بیٹھتا نظر نہیں آتا تھا۔

جونہی سر کی کلاس شروع ہوئی وہ جو دائرے کی شکل میں کھڑے بری طرح مصروف گفتگو تھیں واپس اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں، سر آگے حال چال پوچھا، ایمی کا بڑا موڈ دیکھا اور فوزیہ کی دہلی دہلی۔

”یہ آج فنکاروں کو کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا، وہ ایمی کو اکثر فنکار کہا کرتے تھے لکھاری ہونے کی وجہ سے جواباً فوزیہ کا زور دار قہقہہ اور باقی سب کی دہلی دہلی ہنسی ابھری۔

”سر!“ اس نے کھڑی دیکھنے کی ہمت کر لی، سر نے فوراً کہا۔

”دلی ہنز دور است۔“ فوزیہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی، ایمی نے اسے گھورا۔

”ہوں، تو بھی آپ نے کہا تھا کہ سر جائیے دلی کو نزدیک لے آئیے۔“ سر کی برجستہ بات پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

”سر! ابھی تو اس سے بھی آگے کی بات کر رہی تھی۔“ فوزیہ کے کہنے پر ایمی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا جواباً فوزیہ سرخ چہرے کے ساتھ ہنسی ضبط کرتے ہوئے سر جھٹائی۔

”چھوڑیں سر! فضول باتوں کو، آپ یہ بتائیں کہ آج ہم نے کون سی نظم پڑھنی ہے؟“ عطر نے مداخلت کی۔

”دیکھا، پڑھنے والے بچے۔“ سر نے مسکرا کر کہتے ہوئے سامنے پڑی بک کھولی لی، آج کا لیکچر Sylvia plath کی نظم Bee Meeting یہ تھا، نظم بہت مشکل اور پیچیدہ تھی مگر سر کا وہی ٹھنڈا میٹھا، کھوپڑیاں کھولنے والا انداز انہیں بتا بھی نہ چلا اور نظم ان کے دماغوں کے بھوسے کو صاف کر کے اپنی جگہ بنا کر بیٹھ گئی، کلاس روم میں مکمل خاموشی تھی وہ سب ایسی بکس پہ جھلی تیزی سے نوٹس لینے میں مصروف تھیں، یہ

ممکن ہی نہ تھا کہ سر کے پیر پڈ میں کسی قسم کی اکاٹھٹ یا جگت بازی کی جانی، سر کا سپر انٹرا پریکٹ اور ہوتا تھا کہ فوزیہ جیسا شخص بھی سنجیدہ رہنے پہ مجبور ہو جاتا تھا، اس وقت بھی نہایت سنجیدگی سے مفکروں جیسی شکل بنائے تیزی سے پھسل چلا رہی تھی، سر کی کلاس ختم ہوئی تو وہ جھوک جھوک چلاتیں کینے ٹیریا کی سمت بھائیں تھیں، سب اپنے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر ماربل کی ٹیبل کے گرد آ بیٹھیں۔

”یہ کیا ہے؟“ عطر نے دہی بھلے کی پلیٹ پہ ڈھیر سارے سلاڈ کے نام پر ڈھیر سارے گھاس پھوس کو دیکھا۔

”یہ سلاڈ ہے۔“ فوزیہ نے جیسے بہت اہم اطلاع دی تھی اور اپنی پلیٹ میں سے سلاڈ کے نام پر موجود پتے اٹھا کر کھانے لگی، اب خدا معلوم وہ پالک کے پتے تھے یا سلاڈ کے؟

”یار! یہ دہی بڑے کیسے ہیں؟ نہ اس میں دہی ہے نہ بڑے، بس یہ جڑی بوٹیاں نما گھاس پھوس ہے۔“ ایمی نے تجویزی رپورٹ پیش کی، سب ہنسی تھیں۔

وہ سب کی سب آپس میں نوک جھوک میں مصروف تھیں، جب کینے ٹیریا میں بی اے نے ہلہ بولا، فوزیہ کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے، وجہ؟ ہا ہا! وجہ بھی بڑی عجیب تھی، فوزیہ کو یلو اور اورنج کے سخت نفرت تھی اور بی اے کا رنگ یلو تھا، اس وقت بھی فوزیہ نے ڈیو کے سب لیتے ہوئے بڑے ترنم اور سر میں اپنا بی اے کی کاسٹوکن گنگنا شروع کر دیا۔

Yellow yellow dirty fellow
White white orbit white

وہ یوں گنگنا رہی تھی جیسے دانت کچکا رہی

”اوں ہوں فوزیہ۔“ ایمی نے متنبہ انداز

میں اسے گھر کا تھا، مقصد اسے خاموش کرانا تھا۔

”اب کیا فائدہ؟ وہ ادھر ہی آرہی ہیں۔“ عطر نے ننکھیوں سے بی اے کی جمجھ کو ادھر آتے دیکھ کر کہا۔

”ہیلو۔“ پیلے دوپٹوں سے بھرا گروپ ان سے کہہ رہا تھا، اتنا سارا پیلا رنگ دیکھ کر فوزیہ کو خلیان ہونے لگا تھا۔

”ویسے یار! تم لوگوں کو کوئی اور رنگ پسند نہیں آیا تھا یہ “پیلا“ رنگ آخر کس کی چوائس تھا؟“ فوزیہ نے ”پیلے“ کو چبا کر کہا۔

”میڈم ٹرن کی۔“ ایک نے پریسل کا نام لے کر کہا۔

”اوہ! اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔“ دوسری نے بتایا۔

”آپ کو یلو کمر پسند نہیں ہے؟“ فوزیہ کی ہی قبیل کی ایک لڑکی بلیک اس سے کہیں زیادہ صحت مند اس سے پوچھ رہی تھی۔

”ارے نہیں بھئی، یلو اور اورنج تو فوزیہ کے فیورٹ کلرز ہیں تم لوگ یوں کرنا ٹیکسٹ ایئر اورنج کمر لے لیتا۔“ ایمی نے صبح کا بدلہ نکال لیا تھا، فوزیہ نے کھا جانے والی نظر سے اسے گھور کر ایک دھموک چڑا تھا جواباً وہ آہ کر کے رہ گئی، وہ سب ہنس دی تھیں۔

”ویسے آپ نے نوٹس بورڈ دیکھا؟ کانج میں “نعت لپیشین“ ہو رہا ہے۔“ ایک لڑکی نے بتایا۔

”اوہ اچھا، ویری گڈ۔“ فوزیہ نے کہا۔

”آپ میں سے کوئی حصہ لے گا؟“

”پتا نہیں دیکھو۔“ ایمی نے شانے اچکا۔

کچھ دیر بعد وہ کھائی کر اٹھ گئیں، عطر نے ٹائم دیکھا، مس عظمیٰ کی کلاس سارٹ ہو چکی تھی، اس نے سب کو متوجہ کیا۔

”جلدی چلو، کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ وہ تیزی سے سرپیوں کی طرف بڑھی، باقی سب نے بھی اس کی تقلید کی جبکہ فوزیہ کیسے ٹیریا کی سمت بڑھ گئی، ایسی نے اس کا بازو کھینچا۔
 ”اب کدھر جا رہی ہو؟ چلو اوپر۔“
 ”اوہ نو، ایسی! روکو تو، مجھے ٹافیاں لینے دو۔“
 فوزیہ نے والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔
 ”تو بہ فوزیہ! اور کتنا ٹھونسو گی؟“ مقدس نے مذاق اڑایا۔

”مرو تم، میں جا رہی ہوں۔“ ایسی نے کہا اور سرپیوں جڑھ گئی، کالج بنیادی طور پر تین فلورز میں منقسم تھا۔
 فرسٹ فلور پر لیبز، کیمسٹری، بائیو، فزکس اور کمپیوٹر لیب میں شامل تھی، لائبریری، آفسز اور کیفے ٹیریا تھا، سیکنڈ فلور پر فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر جن میں ایف اے آئی سی ایس اور آئی کام شامل تھے کی کلاسز تھیں اور اسٹاف روم تھا جبکہ تھرڈ فلور پر بی اے، بی کام اور ماسٹرز کے کلاسز رومز تھے۔
 وہ تیز تیز سرپیوں جڑھتی تھرڈ فلور کی طرف جا رہی تھی، عقب سے اسے فوزیہ کی آواز بھی آ رہی تھی جو مسلسل اسے رکنے کا کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

”جی ماسٹرز!“ مس عظمیٰ نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے ان سب کو مخاطب کیا۔

وہ سب جی جان اسے متوجہ ہو گئیں، ان کا نرم لہجہ اور سرپی کی آواز دل میں ویسے ہی ٹھنڈک کی ڈال دیتی تھی اور وہ سب تو ویسے ہی ان پر عاشق تھیں۔

”جی کون کون شامل ہو رہا ہے نعت، کمپیشن میں؟“ ان کے پیارے لہجے نے سب کے رنگ اڑا دیے، سب نے پھٹی آنکھوں سے کھلے منہ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا۔

”ہم..... ہم..... نہیں ہم نہیں۔“ دبی دلی ہلکا ہٹیں گونجتی تھیں۔
 ”جی نہیں، آپ ہی۔“ انہوں نے زور دیا۔
 ”ٹھیک ہے تم، میں اور ایمان حصہ لیں گے۔“ یکدم ہی عطر نے کہا، ایسی نے جھٹکا سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
 ”ویری گنم، یہ ہوئی نہ بات۔“ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

”آپ اپنے نام لکھوا آئیے گا نیچے سٹاف روم میں، بزم ادب سوسائٹی کے نمبرز ہوں گے وہاں۔“ انہوں نے مزید بتایا، ایسی کو سر ہلانا پڑا تھا، عطر سے بعد میں منٹنے کا سوچا تھا۔
 ”لایئے بکس نکالئے۔“

وہ سب PNP کی بکس کھولنے لگیں، ایسی کا موڈ مزید خراب ہو رہا تھا اسے یہ ناول سخت ناپسند تھا، جین آکسن نامی اس ناول نگار کو اس نے پہلی بار میں ہی قیل قرار دے دیا تھا، یہ ناول تھا؟ جس میں سوائے شادیوں کے دوسری کوئی بات ہی نہ تھی، اس سے اچھے تو اس کے اپنے ناول تھے جس کا اظہار وہ یار یا سب کے سامنے کر چکی تھی فوزیہ تو مذاق میں لکٹی بار اس سے کہہ چکی تھی کہ اس کے ناول ہی شامل ہونے چاہیے تھے ایم اے کے سلیپس میں۔

جبکہ مس عظمیٰ بھی کسی حد تک اس سے متفق تھیں وہ اردو لٹریچر کی دلدادہ تھیں بلکہ ان کا تو کہنا تھا کہ:-

”وہ فیض کے ایک شعر سے سارا انگلش لٹریچر وار کے پھینک دیں۔“ اب بھی ناول کی کلاس ختم ہوئی تو وہ سب اکٹھی ہو کر بیٹھ گئیں۔
 ”ایسی! تم نعت پڑھ لو گی؟“ عائشہ نے پوچھا۔

”ہاں یار! ایک دو آتی ہیں مجھے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا بات ہے ایسی! اتنی سنجیدہ سی کیوں ہو؟“ عطر نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔
 ”مجھے پھنسا کر نہیں تو خوش ہونا ہی چاہیے۔“ اس نے طنز کیا۔
 ”ارے نہیں بھی، وہ خود بھی تو حصہ لے رہی ہے۔“ مقدس نے اس کی نیورکی تھی۔
 ”ہاں، یہ تو ہے مگر میں کچھ اور سوچ رہی تھی، عائشہ پلیز! پانی تو پلا دو یار۔“ ایسی کے کہنے پہ عائشہ فوراً فوزیہ سے کلاس لے کر چلی گئی۔
 ”کیا سوچ رہی ہو؟“ فوزیہ نے کرید رکھا تھا۔
 ”یار پرسوں کی بھائی کی فلائٹ ہے۔“ اس نے دھماکہ کیا تھا، اس کی بڑی بہن امین کی سال بھر پہلے ہی شادی ہوئی تھی اور اس کے شوہر امریکہ سے آرہے تھے اس بار ان کا ارادہ امین کو بھی ساتھ لے جانے کا تھا، گھر میں تیاریاں زوروں پہ تھیں، امین تللی کی مانند اڑی پھرتی تھی، اس کے گالوں کی سرخیوں اور ٹھنکھانی تھی جیسے سارے راز عیاں کر رہی تھی، اب بھی ایسی کے تصور میں اس کا چہرہ آیا تو لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ! علی بھائی آرہے ہیں؟“ عطر نے بے یقینی سے کہا، ایسی نے سر ہلایا، عطر نے امین اور علی کی شادی اٹینڈ کی ہوئی تھی۔

”ماشا اللہ، امین کیسی ہے؟ خوش ہو گی بہت؟ تیاری کیسی جا رہی ہے؟“ عطر نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔
 ”ہاں، خوش ہے بہت، تیاری بھی فٹ جا رہی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔
 ”یہ زیادتی ہے ایسی، تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ فوزیہ نے منہ پھلایا۔

”اب تو بتا دیا ہے، مجھے یہ بتاؤ Bee Meeting“ کی اسٹائنٹ پر کون کون کام کر رہا ہے؟“ اس نے کہا۔
 عطر اور فوزیہ کے سوا باقی سب معمول کے مطابق سپاٹ چہروں سے اسے دیکھتی رہیں، اس نے طویل سانس لیا۔
 ”مجھے یہی امید تھی، ویسے میں تو خود نہیں کر رہی۔“ وہ خود ہی ہنسی۔
 ”نہیں یار مجھے تو سر کی نرمی سے بھی ڈر لگتا ہے اب وہ ہمارے ساتھ سراقبال کی جیسی جی نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم ان کی نرمی اور شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔“ فوزیہ کے فکر مندانہ انداز اور سنجیدہ ٹون سے اس کے قبضہ لگانے پہ مجبور کر دیا۔
 ”او میرے شیر و بٹ! اتنا کاش ہوتا بھی ٹھیک نہیں۔“ اس کے منہ سے اپنے خالصتاً ذاتی تک نیم کون کر فوزیہ کو کرنٹ لگا تھا۔
 ”یہ شیر؟ کون ہے؟“ سب چلا پڑیں تھیں، جواب ایسی نے فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ سنایا کہ یہ اس کا ”کمال“ تھا کہ اس نے فوزیہ کا برا راز ڈھونڈ لیا تھا۔
 ”ایسی! بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا؟“ فوزیہ نے بچوں کی طرح پیر زمین پہ مارے۔
 ”تم معلوم کر کے دکھاؤ؟“ ایسی نے چیلنجنگ انداز میں کہا۔

”ایسی..... ایسی..... مجھے بتا دو..... ورنہ..... فوزیہ نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے دھماکا چاٹا جا بگا شاید کوئی مناسب سی دھمکی نہیں سوچ سکتی تھی۔
 ”ورنہ کیا کرو گی؟“ ایسی نے اسے مزے اشتعال دلایا۔
 ”میں تمہارے اوپر بیٹھ جاؤں گی اور میرے گارنٹی ہے کہ جتنا میرا ویٹ ہے، تم دوسرا سال بھی نہیں لے سکو گی۔“ فوزیہ نے بالکل شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا، ایسی نے صدمے سے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

”ارے مجھے سنبھالو، یہ کون ہے؟ میرے جعفر، میری جان کی گاہک، ارے کوئی تو مجھے پکڑو۔“ وہ عطر کے اوپر ڈھسے لگی۔

”جیونیوز ہیڈ لائن فارٹو مارو، نو آموز رائٹر کا قتل۔“ مقدس کے ڈرامائی انداز نے سب کو تہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

حسب معمول اگلا دن نمودار ہوا، آج جمعہ تھا، کلاسز کا ٹائم شارٹ تھا مگر اس کے باوجود بھی سراقبال کا دو کلاسز ایک گھنٹے پر مشتمل تھیں اور مزید سیم یہ کہ آج وہ ایک گھنٹہ میں صرف تین گز ہار رہے تھے، ان سب کی حالت غیر ہو رہی تھی، ایکی نے عطر کو دیکھا جو حسب معمول سر کتاب میں گھیسڑے گہری سوچ میں غرق تھی، پھر اس نے فوزیہ کا جائزہ لیا، وہ بس گرنے کو ہی تھی، نیند سے بے حال، اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے، ایکی کو ہنسی آنے لگی، وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کی دلی کیفیت اس وقت کیا رہی ہوگی، اس نے سر کی طرف دوبارہ دھیان لگا دیا، وہ تینوں کا friendship مضمون پڑھا رہے تھے، وہ کچھ دیر تو ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر ضبط کرتی رہی پھر آخر کار بول پڑی یا شاید اس سے سر کی ”لاٹمی“ برداشت نہیں ہو رہی تھی جیسی پھٹ پڑی۔

”سر! ان ٹیکٹ“ جولیسیس سیزز ایک کنگ تھا اور قلوبطرہ اس کی وائف تھی، جبکہ بروٹس، سیزز کا بہت عزیز اور گہرا دوست تھا، جب سیزز کے خلاف سازش کی گئی تو بروٹس کو سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے سیزز کے دشمنوں نے سب سے پہلے بروٹس کی برین واشنگ کی اور اتنے اچھے طریقے سے کی کہ وہ جولیسیس سیزز پر خنجر سے حملہ آور ہونے والوں میں سب سے پہلا شخص تھا، اسے دیکھ کر ہی جولیسیس سیزز نے وہ تاریخی جملہ

بولی تھا۔“

”ٹو بروٹس۔“

”یعنی بروٹس تم بھی اور یہی سیزز ہے جس کے بارے میں وہ محاورہ مشہور ہے۔“

He come, he saw, he conquer

(وہ آیا، اس نے دیکھا، اس نے فتح کر لیا)، مگر اس بے چارے کی عظیم فتوحات اور احسن اقدامات بھی اس کو دوست نہاد دشمنوں کے چنگل سے بچانہ سکے، سیریزز نے یہی کہ قلوبطرہ بھی اس سازش میں شامل تھی جبکہ تو وہ سب ممکن ہو سکا جس کا عام حالات میں تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس کا ہموار لہجہ پر اعتماد چہرہ اور پرسکون انداز، سر کی شکل دیکھنے والی تھی۔

”انفارمیشن کے لئے ٹھیکس، آپ سب اسے نوٹ کر لیجئے۔“ انہوں نے کہتے ہوئے کتابیں سمیٹ دیں، ٹائم بھی تو پورا ہو چکا تھا، ادھر سر باہر نکلے، ادھر فوزیہ کا چھت پھاڑ قسم کا تہقہہ گونجا۔

”واہ..... ای! میری جان..... واہ..... قسم سے آج تو دل خوش کر دیا تو نے۔“ فوزیہ نے اس کی طرف فلائنگ کس اچھالی، جو اب ایسی مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”کچ ای! آج تو پورا ایف سکس ٹین لگ رہیں تھیں۔“ مقدس نے اسے میزائل سے ہی تشبیہ دے دی، ایکی نے زوردار تہقہہ لگایا۔

”بڑے دنوں سے میں برداشت کر رہی تھی یار! ناؤ اٹس انف۔“ اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”دیش دا اسپرٹ۔“ فوزیہ نے اس کا شانہ تھکا۔

”کمپینشن کی تیاری کیسی ہے؟“ اس نے عطر کو دیکھا۔

”بس ٹھیک ہے۔“

”کل رات دو بجے کی فلائٹ ہے بھائی۔“ ایکی نے بتایا۔

”واؤ، ایمن جائے گی؟“ وردہ نے پوچھا۔

”نہیں یار! اسے دو مینٹگ ہونے لگی ہے میں اور کچھ رات کا سفر بھی ہے، بس ابو اور اہل جاہل گے لینے۔“ اس نے کہا۔

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، چلو کچھ کھانے کا موڈ ہے۔“ فوزیہ نے حسب توقع کہتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

جا میں ہواؤں میں بٹھا کے لے چلوں ہی تو میری دوست ہے آواز کا دریا ہوں بہتی ہوں میں راتوں، میں جاگتی رہتی ہوں بند بھری جھیل سی آنکھوں میں بڑا خوبصورت ردھم، سر اور اتار چڑھاؤ تھا آواز میں، فوزیہ کے قدم دروازے میں ہی جامد ہو گئے وہ جھٹکے سے مڑی، ڈاکس پہ دونوں کہنیاں لگائے، زیر لب گنگنائی وہ ام ایمان ہی تھی۔

”یہ تم ہو ای؟“ وہ بے یقینی سے بڑبڑائی اور اس کی طرف مڑ آئی۔

رات میں چاندنی بھی ایسے گنگنائی ہے سن ذرا لگتا ہے تم سے آواز ملانی ہے فوزیہ نے یقیناً اسے بازوؤں میں اٹھا کر گھما ڈالا، وہ کھٹکھٹا کر ہنسی رہی۔

”چھپی رستم..... جھوٹی..... کچ بتاؤ اور کتنے لاشٹ ہیں تمہارے اندر؟“ فوزیہ نیچے اتارتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”کچ نہیں یار! بننا تھا میں نے سگر، بن گئی اطر ہے لک۔“ اس نے غم زدہ انداز میں کہا۔

”دفع کرو سگر بن کے کیا کرنا ہے تمہیں؟“ اس نے ال کو دیکھا ہے نام تم نے کتنی ”عزت“ ہے

اس کی؟“ فوزیہ نے ”عزت“ یہ زور دیتے ہوئے مذاق اڑایا، سب کا تہقہہ گونجا، جبکہ ایکی اسے گھورنے لگی۔

”تمہیں لگتا ہے میں اس جیسی سگر ہوں؟“ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تھی، فوزیہ گڑبڑائی گئی۔

”نن..... نہیں میرا مطلب ہے کہ.....“ ایکی نے تہقہہ لگایا اور فوزیہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

”کوئی دیکھے شیروٹ کو کنفیوز.....“ وہ پھر ہنسنے لگی، فوزیہ دونوں ہاتھ پھیلائے خطرناک تیوروں کے ساتھ اس کی طرف بڑھی تھی، ایکی نے جیسے خطرہ محسوس کرتے ہوئے باہر کی سمت دوڑ لگا دی، فوزیہ کی اسپید کا مقابلہ تو ممکن ہی نہ تھا اس نے ایکی کو سینڈ فلور کی سیڑھیوں میں چھاپ لیا، وہ مسلسل ہنس رہی تھی جبکہ فوزیہ نے سچ معنوں میں اس کی گردن ماری تھی۔

”ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟“ اس نے خطرناک انداز میں کہتے ہوئے دونوں ہاتھ ایکی کی گردن پہ رکھ دیئے۔

”میں یہ کہہ رہی تھی۔“ وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بڑھال ہو رہی تھی۔

”کہ..... اگر۔“ یقیناً اس کی نظر فوزیہ کے پیچھے پڑی، اس کی ہنسی یوں بند ہوئی جیسے چابی سے چلنے والی گڑیا کو یقیناً چابی گھما کر بند کر دیا گیا ہو، پیچھے سے ہلکی سی کھٹکھٹا کر آواز آئی۔

”فوزیہ! پیچھے دیکھو۔“ اس نے سرگوشی کی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے ام ایمان احمد! تم مجھے کنفیوز کر لو گی؟“ فوزیہ نے بڑھک ماری، ایکی کی کھٹکی بندھ گئی۔

”بس کرو فوزیہ، پلیز ایک بار۔“ اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

”ماسٹرز! راستہ ملے گا۔“ وہ بھاری مردانہ

آواز سر رضا کی تھی، فوزیہ کے سر پہ آسمان ٹوٹا تھا۔ اس کے ہاتھ ایسی کی گردن سے پیچھے بٹے اور اس کے پہلوؤں میں گر گئے، اس نے بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔

”السلام علیکم سرا“ اس نے بوکھلاہٹ میں سلام جھڑا، جواب انہوں نے صرف سر ہلنے پر اکتفا کیا اور آگے بڑھ گئے، پھر رکے۔

”اور بہتر ہو گا کہ آپ یہ دہشت گردانہ کاروائیاں اپنی کلاس میں انجام دیا کریں۔“ دو ٹوک اور کسی حد تک تجسسانہ لہجہ تھا۔

دونوں نے فوراً ہاں میں سر ہلایا تھا، وہ آگے بڑھ گئے، وہ ساکت و سامت کھڑی تھیں جب میزچیوں کے اوپر سے زور دار ہلے کے ساتھ بلند تہقیقوں کی کھنک لئے وہ سب نیچے کی طرف آئیں تھیں، فوزیہ نے سرخ چہرے کے ساتھ ایسی کودیکھا اور دونوں کی آنکھوں نے ایک دوسرے کو سنکھل دیا تھا۔

”بھاگو۔“ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے نیچے کی طرف بھاگ گئیں، بلند تہقبے لگاتار اور شور مچاتا بانی سارا ٹولہ بھی ان کے پیچھے تھا، جو بھی انہیں دیکھ رہا تھا مسکرا کر سر ہل رہا تھا، آخر ماسٹرز سے ایسے بچکانہ رویے کی توقع کوئی بھی نہیں کرتا تھا، اس وقت کیفے ٹیریا کی ٹیبل پہ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

”یار! کیا پرسنالٹی ہے سر رضا کی؟“ یہ عطر کی سرگوشی تھی، کسی قدر خنر اور ستائش لئے ہوئے۔

”ہاں“ ”کیا“ پرسنالٹی ہے؟“ ایسی نے ”کیا“ پہ زور دیا۔

”واقعی کیا پرسنالٹی ہے۔“ مقدس نے تائید کی۔

”وہی تو کہہ رہی ہوں“ ”کیا“ پرسنالٹی ہے

”کیا“ ”کیا“ ”کیا“ پرسنالٹی ہے؟“ ایسی نے

”واقعی کیا پرسنالٹی ہے۔“ مقدس نے تائید کی۔

سر رضا کی؟“ ایسی کی کیا یہ عطر نے چونک اسے دیکھا اور پھر اس کی شرارت سمجھتے ہوئے اسے ایک دھبہ رسیدی۔

”کیا غضب کی ہائٹ ہے یار۔“ تو صبر بھر انداز لئے یہ عائشہ تھی۔

”حالانکہ Wishkars میں مگر گریس فل اور سوہر ہیں۔“ فوزیہ نے بھی پیچھے رہنا مناسب خیال نہ کیا، ایسی نے طو سانس لے کر سب کو دیکھا۔

”لگتا ہے پورا ماسٹرز سر پہ مر گیا ہے ماسٹرز اٹ فرینڈز، وہ ٹیکچرر ہیں۔“ اس کا خبردار کرنے والا تھا۔

”اوئے ایسی! ہماری شرافت پہ شک؟“ مقدس نے اسے لالکارا، وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”جہاں تک مجھے علم ہے سر میریڈ ہیں۔“ ”دردہ تھی، سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھ پھریوں طویل سانس لیا جیسے غبارے سے ہوا نکلی ہو۔

”چمن سے جو ٹوٹے کوئی سینا۔“ ایسی کی دردناک آواز نے سب کو مزید مشتعل کیا تھا سب نے اسے گھورا۔

”ویسے دردہ! تم کبھی کوئی اچھی بات بھی لیا کرو۔“ عطر نے جل کر کہا۔

”لو، میں نے تو بچ کہا ہے۔“ وہ بھی ہنسی۔

”ایک آپس کی بات بتاؤں؟“ ایسی آگے جھکی، سب اس کی نزدیکی ہو کر جھک گئیں۔

”کیا؟“ تجسس چہروں سے پھوٹ رہا تھا۔

”سر مجھے بھی بہت اچھے لگتے ہیں، کیا ہائٹ ہے، کیا گریس ہے کیا.....“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چیئر دھکیل کر اٹھی اور میزچیوں کی سمت بھاگی وہ ان سب کے خوفناک تیور دیکھ چکی تھی اب وہ آگے آگے گئی اور بانی سب اس کے پیچھے پیچھے۔

☆☆☆

”کیا کر رہی ہو ایسی؟“ یہ رابی تھی جو ابھی اس میز پر بیٹھ کر نیچے آئی تھی، وہ چونک کر

”کچھ نہیں، یہ اسائنمنٹ دیکھ رہی تھی، تم جاؤ اور سب تیاری ہو گئی؟“ اس نے بھرے

”ہاں، تقریباً، سب سیٹ ہو گیا، تم سناؤ کالج میں کیا رہا؟“ وہ اس سے کالج کی بابت

”پچھنے لگی، ایسی کے لبوں پہ گہری مسکراہٹ آگئی، وہ اسے آج کی تفصیلات بتانے لگی۔

”یار! فوزیہ بہت حیران کن اور دلچسپ شخصیت ہے اور جتنی وہ خود مزے دار ہے اس

”زیادہ اس کی فیملی کے روز، پتا ہے ان سب کے پاس گھر کی فلیکٹ چابی ہے اور جو بھی باہر جاتا ہے خود سے ڈور کھول کر واپس آتا ہے اور

اس کے بابا قدرے سخت مزاج ہیں مگر میں اسے بھائی رہتی ہوں، مہی پاپا ہونا کتنا کلمی ہوتا ہے نا

”راہی! سب کے پاپا کچھ نہ کچھ حد تک تو سخت ہوتے ہیں وہ بھی اس حقیقت کو سمجھتی ہے مگر پھر

”اس بھی سمجھا رہا ہے جو جاتی ہے، وہ امین کی شادی کا الم کدھر ہے؟“ صبح مجھے نکال کر دینا، سب نے

”کی ہیں کب سے کہہ رہی ہیں، مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔“ اس نے تفصیل سے کہا، رابی سر ہلاتے

”اوئے اس کے قریب دراز ہو گئی۔“ ”کافی بتاؤں تمہارے لئے؟“ ”یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔“ ایسی

”وہی سے بولی۔“

”اور سناؤ تمہارے سر اقبال کا کیا حال

”راہی نے پوچھا۔“

”کچھ نہ پوچھو، حال کچھ زیادہ اچھا نہیں

He does not know any thing about teaching

فکر کھائے جائے جاتی ہے کہ ہمارے جو دو پیمائش ان کے ہتھے چڑھ گئے ہیں ان کا کیا ہو گا؟“ وہ پریشان نظر آنے لگی۔

”تو تم لوگ کمپلین کیوں نہیں کرتے؟“ اس نے ایسی کوئی راہ بھائی۔

”دیش دا آئیڈیا۔“ وہ اچھل پڑی۔

”یہی کرو یار! ورنہ تم لوگ مر دت میں مارے جاؤ گے، معاملہ انتہائی اہم ہے ایسی! ایسا نہ

ہو تمہاری آج کی لاپرواہی کل کا پچھتاوا بن جائے۔“ رابی نے مزید بھجایا۔

ایسی سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتی رہی، رات میں کھانے کی تیاری بہت ایشل کرنے کا

پلان تھا مگر بھائی کی فرمائش تھی کہ صرف وال چاول اور اچار گوشت بنالیا جائے تو بہت ہے، صبح

کی فلائٹ سے وہ آرہے تھے، ایئر پورٹ جانے کے لئے اٹھل اور بابا تیار ہو رہے تھے، جب اس

نے مذاقا امین سے کہہ دیا کہ اسے بھی جانا چاہیے آخر بھائی پہلی دفعہ آرہے ہیں سدا کی

جذباتی امین سمجھت پت تیار ہونے چل دی، جب تک بابا تیار ہوئے امین بھی سمری اور آگنی

گلابی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے گرم شال اوڑھے تیار تھی، وہ پہلے تو حیران ہوئے پھر ہنس

دئے، چونکہ بھائی کی فلائٹ لاہور ایئر پورٹ پر لینڈ کر رہی تھی، جہی انہیں گوجوالہ سے لاہور

جانا تھا، رات کا سفر تھا، احتیاطاً امین نے کچھ بھی

کھانے سے گریز کیا تھا کہ کہیں اسے دو مینٹنگ نہ

شروع ہو جائے، اٹھل سدا کے کالش انہوں نے

ساتھ میڈیسن بھی لے لی تھیں، دعاؤں کے جلو

میں قافلہ روانہ ہو گیا، رابی جن میں مصروف ہو

گئی، بانی سب سونے کی تیاری میں اور ایسی تنہا

اپنی سوچوں کے ساتھ رہ گئی، عام حالات میں وہ

دس بجے تک سو جا کر گئی تھی، بہت ضروری کام

بھی کرنا ہوتا تو بمشکل گیارہ بجے تک جا گئی اور

اس کے بعد اسے سونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا مگر آج خوشی جو جوش اور فکر کی ملی جلی کیفیت نے اس کی نیندیں اڑا دیں تھیں، اسے جانتے ہوئے ایک نچ چکا تھا، اس نے لٹاف میں پیر سیٹھ اور لٹاف سرتنگ پہنچ لیا، اسے شروع سے ہی سر تک لٹاف اوڑھ کر سونے کی عادت تھی، اسے آنکھ بند کیے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ فون کی رنگ ٹیون بج اٹھی، تکیے کے پاس دھرے فون نے اسے پٹ سے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا، اس نے تیزی سے سیل کی چمکتی اسکرین دیکھی، ایمن کا نام بلک کر رہا تھا، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ہاں بولو ایمن! کدھر ہو؟“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔
 ”ایمان! فلائٹ لینڈ کر گئی ہے، باہر آنے میں کچھ وقت لگے گا، تم لوگوں نے کھانے کا کیا کیا؟“ ایمن نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔
 ”ڈنٹ وری ایمن! کھانا تیار ہے، رابی نے سب ریڈی کر لیا ہے۔“ اس نے تسلی دی۔
 ”ٹھیک ہے، آنے سے پہلے فون کر دوں گی۔“ ایمن نے کہتے ہوئے لائن ڈسکلیٹ کر دی۔

ایک چند لمحے بیٹھی رہی پھر دوبارہ سے لیٹ گئی، کچھ دیر بعد وہ پھر سے نیند میں جا چکی تھی، دوبارہ اس کی آنکھ پھر فون کے بجنے سے ہی کھلی تھی اس نے ٹائم دیکھا، چار بج رہے تھے، اس نے فون اٹھا تو پھر سے ایمن ہی بولی تھی۔

”ایمان! تم لوگ سب ریڈی کرو، ہم سب ایک گھنٹے تک پہنچ رہے ہیں۔“ اس نے کہہ کر ٹھک سے فون رکھا، مگر ایمن اس کے لہجے کی کھنک سے اس کی بے پایاں خوشی کا اندازہ کر لیا تھا۔

اس نے رابی کو جگا دیا، پانچ بجے کے قریب باہر جب گاڑی کا باؤن بجا تو ایمن جیسے اڑتی ہوئی دروازے تک پہنچی تھی اسے حیرت تھی وہ لوگ

صرف ایک گھنٹے میں لاہور ایئر پورٹ سے گوجرانوالہ کے اندرون میں اتنی جلدی کیسے گئے؟ پھر اس نے سوچا کہ رات کے اس وقت یقینی طور پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوگی دروازہ کھولتے ہوئے اس کا خوشی سے برا حال تھا، سب لوگ اندر آ گئے، ایمن سب سے آگے تھی ساتھ ہی بھائی اور پیچھے بابا، انکل شاید کا کے ڈرائیور کے ساتھ کچھ حساب کتاب کر رہے تھے، اپنی کار تو تھی نہیں جی کار ریوٹ پہ لی گئی تھی۔

وہ سب سے مل کر تسلی سے بیٹھے تو رابی نے فوراً کھانا لگا دیا، بھائی کو کھانا بے حد پسند آیا تھا ابھی تو جلد ہی اٹھ گئی، بھائی اتنی لمبی فلائٹ سے آتے تھے، کہاں کیلیفورنیا سے سان فرانسسکو اور پھر وہاں سے دوئی اور دوئی سے آخر کار لاہور اور پھر گوجرانوالہ اندازاً ابھی چھپیس سے ستائیس گھنٹوں کی فلائٹ بنتی تھی۔

ایک خود بھی تھکن ہو رہی تھی ساری رات سوئی جاتی کیفیت میں گزری تھی وہ ابھی تو سیدھا نچے آئی، اپنے بیڈ پہ گرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں اور لٹاف سرتنگ اوڑھ لیا، دوبارہ آنکھیں کھلی تو ساڑھے چھ ہو رہے تھے، اس نے خود کو پہلے سے قدرے بہتر محسوس کیا اور اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی، جس وقت وہ تیار ہو کر گھر سے نکلی، آدھا گھر سوراخا اور جو جاگ رہے تھے وہ اس قدر مصروف تھے کہ کسی کو اس کا ہوش نہ تھا، اس نے چائے پی اور ناشتہ بیگ میں ٹھونس کر تیزی سے چادر اوڑھتی باہر آ گئی جہاں حسب معمول رکشہ والا کی گھنٹی شروع ہو چکی تھی، اسی بھاگ دوڑ میں وہ ایمن کی شادی کا اہم بھول چکی تھی جس کی وجہ سے آج لازماً اس کی کلاس لگنا تھی، مگر یہ سارے تو صرف اس کے خیالات تھے، وہاں کیا درپیش آنے والا تھا وہ اس سے بے

☆ ☆ ☆
 مقدس غیر حاضر تھی، اسے کل سے بخار تھا، سب ہی پریشان تھیں، وہ سب ایمن سے بھائی کی آمد کا احوال جانتے کو بے تاب تھیں، ایمن انہیں تفصیل سے سب کچھ بتاتی گئی، کیسے اس نے ایمن کو اموشنل بلیک میل کیا اور ساتھ جانے پہ آمادہ کیا۔

”بتا ہے کیا ہوا؟ ایمن جاتی دفعہ خوب اموشنل کرتی گئی، انکل اور بابا جان کو مصیبت اٹھ رہی اور واپسی پہ محترمہ کو بتا ہی نہیں کہ یہ اموشنل آخر کس بلا کا نام ہے، انکل تو صاف کہہ رہے تھے کہ بھی ایمن! یہ تو زیادتی ہے نا جانی دفعہ تم نے ہمیں ”دخت“ ڈالے رکھا اور اپنے ہاں کو دیکھتے ہی سب کچھ غائب۔“ وہ مزے لے لے کر بتا رہی تھی۔

”چلو یار! اللہ پاک انہیں خوش رکھے اور آسانیاں عطا فرمائے۔“ عطر نے کہا۔
 ”آمین۔“ سب نے کہا۔

”میں نے ایمن سے کہا کہ بھائی سے کیسے لے آگے سے آنکھیں نکالنے لگی، کہتی کیسے ماننا تھا؟ ہاتھ ملایا اور کیا.....“ اس کی ادھوری بات کو سب نے ہی انجوائے کیا تھا۔

دن اور راتیں ایسی ہی خوشگوار ہو گئیں تھیں اب ایک دوسرے کی سنگت بہت اچھے سے ملا آئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ وہ سب پریشانیوں سے آزاد تھیں، زندگی تھی تو پریشانیوں بھی ساتھ ہی چل رہی تھیں، نوزیہ بھی کھاراکتا جانی اپنے ابو سے جو کہ بقول اس کے ”ہنڈل“ تھے اسے روز ایک گھنٹہ اپنے ابو کے ساتھ گزارنا ہوتا تھا اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ انھن کا شکار رہتی، ایک گھنٹہ خاموش رہنا اس جیسوں کے لئے سزا ہی تو تھی، کیونکہ کچھ بولنے کی جرأت وہ کم از کم اپنے

بابا کے سامنے تو کر نہیں سکتی تھی۔

مقدس بیمار تھی اور اس کا بخار کبھی شدت اختیار کرتا جاتا اور کبھی کم ہو جاتا، اسے لے کر وہ سب اور پیچھے جی حاضری پریشان تھیں، ایمن تو گھر میں بھی اسی کے لئے سب کو اجتماعی دعا کرنے کا کہتی، عائشہ بھی کافی پریشان تھی اس کی بہن فاطمہ بوکان کا مسئلہ تھا اور یہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، اس کے امی ابو دن رات اسے لے کر ڈاکٹروں کے ہاں پکڑ لگاتے رہتے۔

عطرت کے بھائی کی شادی تھی اور ڈیٹ تھی کہ فکس ہو کے نہ رہے تھی، البتہ ورہ ہمیشہ کی طرح ”مست است“ دنیا سے بے خبر اور ان سے قدرے لا تعلق۔

باقی بچی ایمان! تو ان سب کے مطابق وہ اس کلاس کی واحد ہستی تھی جسے بقول ان کے کوئی ٹینشن نہ تھی بلکہ وہ ایک طرح سے سب سے زیادہ خوش و خرم اور بے فکر تھی۔

نعت کی پیشین آما تو اسے آئی کام اور بی اے کا قبضہ تھا، سرسلمان عظیم نے ڈانس پہ آکر ماسٹرز کے وہ لٹے لئے کہ وہ بے چاری ہکا بکارہ نہیں، انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:-

”ہمارا ایمان اے فوت ہو گیا ہے، ہم ان کی تعزیت کرنے آئیں گے۔“ حالانکہ اس جم غفیر میں کہیں دو بے چاری سی ماسٹرز کی طالبات عطرت اور ایمان بھی شامل تھیں مگر وہ کسی گنتی میں ہی نہ گنی گئیں، سب سے زیادہ مزہ تو تب آیا جب ایمن کی نعت میں تھرڈ پوزیشن آئی، نوزیہ نے تو چیخ کر آسمان سر پہ اٹھالیا، وہ اپنی اعزازی شیلڈ لے کر آئی تو نوزیہ نے اسے بانہوں میں جکڑ کر اچھا خاصا گھما ڈالا تھا۔

☆ ☆ ☆

تم ہوئے مہرباں تو ہے یہ داستاں اب تمہارا میرا ایک ہے کارواں

تم جہاں میں وہاں ایسی کی سریلی آواز نے سب کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا جب دروازہ ہلکے سے ٹاک کر کے میم عظمیٰ نے انٹری دی۔

سب اچھل پڑیں، ایسی نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا اور عطر کو دیکھا جو تھکی ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہوئی جا رہی تھی، بڑے خوشگوار موڈ میں شروع ہونے والی کلاس کا اختتام خاصے دل دہلا دینے والے نوٹ پہ ہوا تھا۔

”ماسٹر ز کافر سٹ مسٹر شارٹ ہو رہا تھا۔“ ان سب کے تو ہوش اڑ گئے تھے، دو مہینے کا پڑھا شدہ دماغ کے کونے کھدروں سے نکالا جانے لگا، کسی کو نوٹس یاد آنے لگے تو کسی کو اپنی اسائنمنٹس میں خامیاں نظر آنے لگیں، غرض ہلہ گلہ میں مصروف خوش و خرم ماسٹر ز کو کچھ معنوں میں اپنی پڑ گئی تھی اور تب انہیں احساس ہوا کہ انہیں سر اقبال کے پبلیکشن بالکل نہیں آتے تھے، جیسے تیسے کر کے ایگزامز سے نمٹا گیا اور رزلٹ آنے میں کون سی دیر لگنا تھی اور آخر کار چھ لڑکیوں کا رزلٹ بناتے نام کتنا لگ سکتا تھا؟

خیر رزلٹ آؤٹ ہوا اور کلاس کی سب سے غائب دماغ، لالعلق اور ہر لکچر کے بعد یہ پوچھنے والی کہ ”زیلینا مرد تھا یا عورت؟“ اور سب پیچرز کے مطابق لا پرواہی و ردہ فرسٹ پوزیشن پر تھی جی ہاں وہی وردہ افضل محمود جو سارا The crucible ڈراما پڑھنے کے بعد بڑی مصمصویت سے یہ سوال کر بیٹھی تھی کہ Abigail (ڈراما کی ولن) کون تھی؟ اور تب ایسی اس کی غائب دماغی پر چیخ اٹھی تھی وہی وردہ آج سب سے آگے تھی اور ام ایمان کلاس کی موسٹ جیفنس و فیورٹ اور کوئٹڈنٹ اسٹوڈنٹ جس سے پیچرز امیدوں کے انبار لگائے بیٹھے تھے سر اقبال کے ایک

بجیکٹ میں فیل تھی۔

☆☆☆

سر اقبال سے ان کے تعلقات میں کسی کی بہتری نہ آئی، ان کی یکمشری نہ سر سے نیچے نہ تھی نہ ہوتی، دن گزرتے جا رہے تھے، عجیب سے گھٹے گھٹے اور بے زار دن، موسم بھی بدل گیا تھا، تھرڈ فلور چونکہ سیارا کو رڈ تھا چھوٹا دھوپ کی کوئی کرن تک نظر نہ آتی تھی۔

ایسی ہی ایک گلابی جاڑوں کی صبح وہ سس تھرڈ فلور کی سیڑھیوں پر براجمان تھیں، سیڑھیاں تھرڈ فلور کو چھت سے ملاتی تھیں، چھت کا دروازہ عموماً بند رہتا تھا اور طالبات کو او جانے کی اجازت نہ تھی، مگر وہ چھت کا دروازہ کھول کر سیڑھیوں پر بیٹھی دھوپ کے مزے رہی تھیں۔

سب سے اوپر والی سیڑھی پر ایسی اور عطر بیٹھی تھیں، ایسی نے سر عطر کے کاندھے پر ہوا تھا، اس سے ذرا نیچے عائنہ بیٹھی تھی، سیڑھیوں کے ٹرن پر جہاں چھوٹی سی گیلری تھی جگہ وہاں فوزیہ پر اور مقدس کرسیاں ڈالے بیٹھی تھیں، اس کے نیچے جانی سیڑھیوں کے آخر پر وردہ بیٹھی تھی۔

موضوع گفتگو سر اقبال تھے، وہ سب اس بات پہ متفق تھیں کہ سر کی کمپلین ہوتی چاہیے ہاں مگر ہمیشہ کی طرح سب سے منفرد اور Individualism (انفرادیت) کا شکار وردہ اس بار بھی ان سے مختلف رائے رکھتی تھی، اس کہنا تھا کہ کسی نیچر کی شکایت کرنا بجا نہیں ہے ایسی تو زب ہی اٹھی تھی۔

”چوبدی چوبدی کا شور با۔“
”دیکھو وردہ! جسٹ سن ٹوی، ہم آج ہم دشمن کے آفس جائیں گے اور انہیں پوری بات بتائیں گے اور اگر تمہیں ہمارا ساتھ نہیں دینا

تو دو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ایک بات اور کہنا اگر کوئی پھٹا ڈالنے کی کوشش کی تا تو.....“
اس نے دھمکی آمیز ”از میں بات ادھوری چھوڑ

”ایسی! اچھا بھئی جانا تم لوگ، میں نہیں کچھ کہہ رہی۔“ وردہ ہنسنے لگی۔
”وردہ افضل محمود! تم کچھ کہہ کر تو دیکھو، میں سیارا حشر کر دوں گی۔“ یہ فوزیہ تھی، ہمیشہ کی طرح فوزیہ اس سے خاصے جھگڑنے والے موڈ میں بات کر رہی تھی اور پتا نہیں مگر بڑی عجیب سی بات تھی کہ وردہ اور فوزیہ کی کبھی نہیں جیتی تھی، وہ جھگڑتی رہتی اور بعض دفعہ وہ بڑی معمولی باتوں پہ الجھ پڑتی تھیں، یہ ایسی ہی تھی جو ہمیشہ ان کے درمیان صاف صفائی کرواتی۔

اس وقت بھی فوزیہ کے انداز پر وردہ کے

”فوزیہ بھائی! آرام سے اچھا، میں نے کیا کہا ہے بھلا؟“ وہ ناراض سے بولی تھی اور لفظ ”بھائی“ غالباً ”بھئی“ کی بکڑی شکل تھا، فوزیہ تو اس کی بکڑی ہو گئی۔

”فوزیہ بھائی؟ بھائی؟ یہ بھائی کس کو کہا تم نے؟“ وہ بلند آواز میں دھاڑی تھی، سب کی ہنسی

”ایسی! دیکھ لو پھر نہ کہنا مجھے، اگر میں نے اس کا پکڑ کر نکال دیا تو؟“ اس نے ایسی کو کہا کہ ہمیشہ وہ ہی انہیں خاموش ہونے پہ مجبور کر لیتی تھی۔

”کم آن فوزیہ! یہ اس کا سائل ہے۔“ ایسی اسے تسلی دی۔

”سائل؟ یہ میری نسوانیت مشکوک کر رہی ہے بھائی کہہ کر اور تمہیں اس کا سائل لگ رہا ہے؟“ فوزیہ صدمے سے گنگ رہ گئی، وردہ کی اس بات نے اسے مزید پیش دلایا۔

”چلو ٹھیک ہے پھر میرا سائل بھی دیکھ لو۔“ اس نے کہتے ہوئے دونوں ہاتھ وردہ کی طرف بڑھائے انداز گلا دبانے والا تھا۔

”بیٹھ جاؤ، لگتا ہے تمہیں اس دن کا سین بھول گیا ہے؟“ مقدس نے طنز کیا، وہ اسے سر رضا کی ڈانٹ یاد دل رہی تھی، فوزیہ جھپٹکے سے واپس مڑی، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

”یو ٹو برس۔“ اس نے کہا، لہجہ رونے والا تھا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”ہاں پھر ٹھیک ہے ویسے بھی میں کون ہوں؟“ وہ خفا ہو کر نیچے چلی گئی۔
”لو، چلی گئی، چلو یا رمناء اسے۔“ ایسی سب سے پہلے نیچے اتری تھی، وہ کمرے میں جا چکی تھی، ایسی بھی اس کے تعاقب میں اندر آ گئی۔

”اوئے شیر! بس کر جگر، تجھے پتا ہے نا کہ۔“ اس نے پیار سے کہتے ہوئے فوزیہ کے کندھے کے گرد بازو پھیلا دیا، حالانکہ یہ خاصا مشکل کام تھا اس کا کندھا بھی تو خاصا فرار تھا، اسی وقت عطر اندر آ گئی، دونوں کی پوزیشن دیکھ کر چونکی پھر مسکرائی۔

”ہو گیا اظہار محبت؟“ اس کا تیکھا لہجہ ایسی کو بڑا عجیب لگا۔

”نہیں، ہونے لگا تھا۔“ ایسی قصداً مسکرائی۔

”اوہ..... پوزیو لینس۔“ فوزیہ نے شرارت سے آنکھیں پھیلائیں پھر ایک دم ایسی کو سختی سے بھیجنا اس کا گال چوم اور باہر بھاگ گئی، جاتے جاتے غرہ لگا دیا تھا۔
”آئی لو یو ایسی!“ ایسی ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

سر اقبال کی کمپلین کر دی گئی، میم ٹمن نے معاملے کو خاصی اہمیت دی تھی کچھ ریزن ایمان کی

بھی تھی، وہ کلاس کی ”سی آر“ تھی اور اس نے خاصے پر اعتماد مگر ٹھنڈے انداز میں سر کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی تھی، فوزیہ تو اسے بات کرتے دیکھ کر دل ہی دل میں اس کو داد دے رہی تھی، وہ حقیقتاً اس کی ہمت اور حوصلے پر حیران تھی، اس کمپلین کے بعد بھی انہیں سر میں کسی قسم کی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی، ان کا انداز وہی تھا، اب تو ایمان اچھا خاصا جھلانے لگی تھی، کئی بار اس کی سر سے دو ٹوک بحث ہو چکی تھی اور آخر کا انہیں پتھر پا کر ایسی نے یکسر خاموشی اختیار کر لی تھی، وہ سارے پتھر میں سر ہی اوپر نہ اٹھاتی، سر کو اس کا یہ انداز اور خاموشی کس قدر تھکتی تھی مگر وہ اسے بہت کم مخاطب کرتے تھے، کلاس میں اچھی خاصی ٹینشن پیدا ہو چکی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے تو وہ عجیب ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر اتر آئی تھی، سر کے بیڑیڈ میں یکسر خاموش، سر نیچے کئے، آنکھیں کتاب پر گاڑے اور چہرہ بالکل سپاٹ، یوں جیسے وہ ہر چیز سے لاطعلق ہو چکی ہو، سر کچھ پوچھتے تو بڑی لاپرواہی سے کندھے جھٹک دیتی اور بڑی روڈی لہتی۔

”مجھے نہیں پتا سر۔“
کتنی ہی بار بانی سب دوستیں اسے سرزش کی چکی تھیں کہ وہ غلط کر رہی ہے مگر اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

”I can not bear it more“ (میں یہ سب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔)

یہ چپقلش زیادہ دیر نہیں چل پائی تھی کیونکہ دبیر کی چٹیاں آگئیں تھیں، چٹنیوں سے پہلے ایک حتی فیصلے کے طور پر انہوں نے کالج انتظامیہ کو خبردار کیا تھا کہ ان کے لئے ہر صورت متبادل ٹیچر کا انتظام کیا جائے اور میڈم ٹمن کی طرف انہیں مکمل یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ فیصلہ ان

کے حق میں ہی ہوگا۔

سو ماسٹرز اپنے الوداعی جدائی پر غم آنکھوں سمیت خود کو ایک دوسرے سے رابطے کی یقین دہانی کرواتے رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

سر دگلابی جاڑو!

اس بار جلے جاؤ

اگلی بار جو لوٹ کے آنا

ساتھ میں میرے پار بھی لانا

یار میرے کچے کچے

یار میرے سچے سچے

یار میری جند جان ہیں

یار میرا ایمان ہیں

سر دگلابی جاڑو!

اس بار جو آنا

ساتھ میں میرے پار بھی لانا

ہڈیوں میں لہو جھادینے والی کڑکڑاتی سردی نے فضاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، ہم جنوری کا خوبصورت اور خوشگوار دن بلکہ کسی حد تک ٹھنڈا دینے والا سورج کے بغیر دن ایسے ہی تھا جیسے بھول کے بغیر شاخ اور اسی سردی پھر۔ دن ”ام ایمان احمد“ صاحب کتاب ہو گئیں۔ کانوں میں ایمری تھری ٹھونے لگے، کالج میں گئے دنیا جہان سے قطعی بے خبر ہاتھ میں کافی کا گگ لئے سخت مصروف تھی یوں کہ کسی تیسرے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جنموں کا وعدہ کوئی

یہ دن بڑے چھوٹے ہیں

یہی ہی اک رات ہو

لمبا سا اک دن ملے

بس اتنا سا جینا ہو

ملن کی گھڑی جب ملے

وہ دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھی، ایک د

سے دروازہ کھلا اور رانی کی صورت نظر آئی جو خوشی و خوشی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، اس نے ایمری کے کانوں سے ہنڈ فری کھینچنے اور زور زور سے ہنسی اس کے گلے لگ گئی۔

”مبارک ہو ایمری، مبارک ہو یار۔“ ایمری ہکا بکا تھی اسے اس درجہ التفات کی وجہ بالکل سمجھ نہ آئی تھی۔

”خیریت؟ ہوا کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔
”تیری بک آگئی ہے ایمری، تیری پہلی کتاب بابا پارسل وصول کر رہے ہیں۔“ وہ بلند آواز میں کھٹکھٹاتی تھی، وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی حیرت سے منہ کھولے۔

اسی وقت بابا جان خالی کاغذ میں لپٹے پارسل کا اٹھائے اندر آ گئے اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر چھینا مارا۔

”میری کتاب..... میری؟“ وہ بے یقینی سے پرل ٹائٹل والی کتاب پر ہاتھ پھیرتی رہی پھر چپچپے ہوئے بابا سے لپٹ گئی، پھر سب جمع ہو گئے وہ ہنگامہ بچا کہ الامان سب کی ایک ڈیماڈ تھی۔

”ٹریٹ؟“ اسے مانتے ہی بنی۔

سوئے اتفاق اگلے ہی دن سے کالج ری ٹائٹل ہو رہا تھا، وہ خوشی سے بے جاں ہونی اپنی بک لے کر کالج گئی تھی، خوب بچھڑی کرسب سے گلے ملنے کے بعد اس نے سر پر از کہہ کر سب کی آنکھیں بند کروائیں اور پھر جلدی جلدی بیک سے کتاب نکال ہاتھ میں تھامی اور آنکھیں کھولنے کا کہا، سب نے آنکھیں کھول لیں اور پھر کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں۔

”ام ایمان احمد!“ مقدس نے بلند آواز میں ٹائٹل بیچ پر موجود نام پڑھا اور پھر سب زور زور سے چیخ چلائی اس سے لپٹ گئیں ان کی چیخیں اتنی بلند ضرور تھیں کہ ساتھ والے روم سے

میڈم ٹمن کا میسج آ گیا کہ ”وہ لکچر دے رہی ہیں آہستہ بولیں۔“ ان سب کے جذبات پہ اچھی خاصی اوس پڑی تھی۔

”لو جی..... اتنے چار جڑ بھرے ہیں کیا بندہ شور بھی نہ ڈالے؟“ فوزیہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہی تھی۔

”واہ فوزیہ واہ، تم نے اتنے چار جڑ کیا شوق ڈالنے کے بھرے ہیں؟“ مقدس نے اتنے بے زور دے کر کہا تھا، انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

”تو اور کیا۔“ وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔
”یار! میری بات سنو، آفس چلیں میڈم ٹمن کے پاس، انہیں ایمری کی بک دکھاتے ہیں۔“

عطرت نے صلاح دی۔
”ہاں بالکل چلو اور یہ سرسلیمان عظیم کو بھی پتا چلنا چاہیے کہ ایم اے زندہ ہو گیا ہے اور اس کا گریڈٹ جاتا ہے ام ایمان کو۔“ فوزیہ نے فخر سے ہنسی ماری۔

”چلو پھر، ہو جائے آج۔“ مقدس نے بھی حامی بھری اور سب تیزی باہر نکل گئیں، میڈم کار سپونس ان کی توقع سے بھی زیادہ حیران کن اور اچھا تھا، وہ بے انتہا خوش ہوئیں تھیں اسے بے حد مبارک باد دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی فیور دی تھی کہ وہ کل ہی کالج کافرٹس میں سب اسٹوڈنٹس کو اکٹھا کر کے انہیں یہ نیوز دیں گی۔

ماسٹرز اچھا خاصا کھٹکھٹاتا اور چھٹکتا ہوا وہاں سے نکلا تھا، اگلے روز ایمری کو ایمری جی میں اسلا آباد جانا پڑ گیا، ایمن کو امریکن انٹیلیجی جانا تھا بابا، ایمن، علی بھائی اور ایمان جا رہی تھی۔

خیر اگلے دن جیسے ہی وہ کالج آئی، اس نے لئے خوشخبری منتظر تھی، گراؤنڈ فلور پہ سارا کار اکٹھا تھا، میڈم ٹمن نے سب کے سامنے اسے ڈاکس پہ بلایا اور بڑی خوبصورتی اور روانی سے بات شروع کی تھی۔

”ہم سوچتے تھے کہ ام ایمان جانے کون ہیں کہاں رہتی ہیں مگر آج پتا چلا کہ یہ ادیبہ تو ہماری اپنی ہیں۔“ انہوں نے سب کو ایسی کی بک دکھائی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عنقریب ایمان کے اعزاز میں ایک فنشن کیا جائے گا، اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ گویا ہواؤں میں تیر رہی ہو، جنوری اس کے لئے بڑی رحمت و کرم کے خزانے لایا تھا، سراقبال کی جگہ نئی پیچ آ گئیں، ایمین کی ٹکٹ کفریم ہو گئی، وہ علی بھائی کے ساتھ ہی امریکہ جا رہی تھی۔

دن اتنی تیزی سے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا، اس نے سب فرینڈز کو ٹریٹ دی تھی اور انہوں نے ایسی کو گفٹس دیئے تھے، سب اساتذہ نے بھی اسے خصوصی مبارکباد دی، میم عطی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ۔

”ماسٹرز! آپ ایمان کا آٹو گراف لے لیجئے کیونکہ بعد میں تو انہوں نے آپ کو پہچاننا بھی نہیں اور آپ نے ان کی گاڑی کے پیچھے بھاگ رہے ہوتا ہے۔“ وہ مسکرا رہی تھیں، سب نے ان کی بات کو بہت انجوائے کیا تھا حالانکہ ایمین نے احتجاج بھی کیا تھا کہ۔

”فرینڈز کے ساتھ وہ کبھی ایسا نہیں کرے گی۔“ جنوری کے وسط میں کالج میں محفل مشاعرہ تھی، اس بار ایمان نے خود ہی اپنا نام دے دیا تھا۔

اس نے اس بار بھی میدان مار لیا تھا اور دوسری پوزیشن لی تھی سب کو اس پر رشک آتا تھا، کتنی خوبصورت اور مکمل زندگی تھی اس کی۔

اسٹری حیثیت سے اپنی ایک منفرد پہچان! ترین سنگر، بہت اچھی نعت خواں! ش مزاج اور مطمئن!

اعت پسند اور کول مائند!

گھر والوں کی حد درجہ لاڈلی! اور!

ان سب کو بے حد عزیز اور جانی سے پیاری ام ایمان، جس پر وہ سب رشک کرتی تھیں، ہر کوئی اسے چاہتا تھا، جو ملتا اسیر ہو جاتا، خود بخود دوسری بار ملنے کے لئے کھینچا چلا آتا، مگر وہ ایک پنجابی کی کہاوت ہے نا یعنی قبر کا حال صرف مردہ ہی جانتا ہے کہ مصداق وہ بھی اصل حقیقت سے بے خبر تھیں کہ بعض دفعہ مسکراتے چہروں کے پیچھے کیسا کرب و غم چھپا ہوتا ہے؟ ہر خوش مزاج انسان ”خوش“ نہیں ہوتا اور ہر کامیابی کے پیچھے دعائیں نہیں ”انقام“ بھی ہوتا ہے۔

☆☆☆ میں لوگوں سے ملاقاتوں کے لمحے یاد رکھتا ہوں میں باتیں بھول بھی جاؤں تو لہجے یاد رکھتا ہوں سر محفل لگا ہیں مجھ پہ جن لوگوں کی پڑتی ہیں نگاہوں کے حوالے سے وہ چہرے یاد رکھتا ہوں ذرا سا ہٹ کے چلتا ہوں زمانے کی روایت سے کہ جن پہ بوجھ میں ڈالوں وہ کاندھے یاد رکھتا ہوں 24 جنوری کو ایمین بھائی کے امریکہ ساتھ چلی گئی، کچھ دن بعد اسے یہ خبر ملی کہ کالج میں اس کے لئے اعزازی فنشن کیا جا رہا تھا، ظاہر ہے وہ بے انتہا خوش تھی، اس کی کتاب کی رونمائی کا فنشن ہوا اور بڑے شاندار طریقے سے ہوا، سر سلمان عظیم نے حد خوش تھے، وہ حیران تھے کہ محض بیس سال کی عمر میں وہ صاحب کتاب بن گئی تھی، جنوری اپنی خوشگوار یادوں کے ساتھ اختیار کو پہنچا اور فروری انہیں جانے کیوں راس ہی نہ آیا تھا، دو فروری کو نوزیہ کالج کی سڑکیوں سے پھسل گئی اس کے پیچ پر خاصی چوٹ آئی تھی، وہ سب بے حد پریشان ہو گئیں مگر وہ نوزیہ ہی کیا جو چٹنی کر گئی! اسے گھر میں چھین ہی نہ ملتا تھا بلکہ اصل بات تو یہ تھی کہ اسے ان کے بغیر چین

ہی نہ پڑتا تھا، وہ کالج آرہی تھی جہی ان کا روم فرسٹ فلور پر شفٹ کر دیا گیا، اس کے پیچ پر مسلسل مینڈجنگ ہوتی رہتی تھیں۔

دوسری طرف مقدس کا بخار بگڑ کر ٹی بی کی شکل اختیار کر گیا، اس کی سفید رنگت سنو لائی، ایسی اپنی جان سے عزیز، سبھیوں کو یوں دیکھتی تو دل کر لانا اٹھتا، بات یہاں تک نہ تھی عسرت کے باپا بھی سعودیہ میں تھے، وہ بھی اچانک واپس آ گئے، وہ بیمار تھے اور وہاں کے ڈاکٹرز نے انہیں گینسر تشخیص کیا تھا اور اس دن وہ سب ایک دوسرے کے گلے لگ کر کتنا رونی تھیں اور نوزیہ وہی نوزیہ جو اپنے ابو کو ہٹلر کہا کرتی تھی کیسے روتے روتے کہے جا رہی تھی کہ۔

”یار! ابو لوگ اتنے پیارے کیوں ہوتے ہیں؟ کیوں بیٹیاں ان کی ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کر پاتیں، اللہ جی! ہمیں سب کے ابو بڑے عزیز ہیں، کسی کو کچھ نہ ہو۔“ وہ عسرت کو ساتھ لگائے رو رہی تھی۔

ایسی کا دماغ سن سا ہو رہا تھا، بعض چیزیں کتنی نا قابل یقین سی لگتی ہیں، جیسے اسے عسرت کے الفاظ نے اتنا شاکڈ کیا تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

”یہ..... بے وقوف ڈاکٹر..... انہیں کیا پتا؟ ادھر کے ڈاکٹر ہی بیج بات بتائیں گے، عسرت تم باگل ہو، کیوں رونی ہو یار! ادھر ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر بیٹھا ہے، جاؤ لاہور یا کراچی یا اسلام آباد، سب جگہ موجود ہیں ڈاکٹر۔“ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولے گئی، وردہ اڑی رنگت کے ساتھ اور عائشہ تم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

ضبط غم آسان نہیں عالی آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں اسی دکھ سے افسردہ جاڑوں میں سینڈ سسٹر آ

گیا اور ویلنٹائن ڈے بھی اور اسی بدولت ان کا دھیان کچھ بٹ گیا تھا اور نہ سہراحت تو کہتے تھے کہ ہمارے ماسٹرز کو کسی کی نظر لگ گئی تھی، اس دن انہوں نے ایک دوسرے کو گفٹس دیئے تھے اور اسی دن کہتے ہی دنوں بعد گلاس میں ایسی کو گنگناہٹ گونجی تھی۔

لوگ دا لشکارا، لوگ دا لشکارا او بے بی تیرا جان سے پیارا کانی دنوں بعد سب اس طرح خوشگوار موڈ میں تھیں، سینڈ سسٹر شروع ہوا اور ختم بھی ہو گیا، اس کے بعد تو جیسے کسی کو کچھ ہوش نہ آیا، سلیبس خاصا لمبا چوڑا تھا اور اچھا خاصا رہتا بھی تھا، جہی ان کی دوڑیں لگ گئیں، ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی نئی کتاب خریدنا ہوتی اور نوٹس کاپی کروانا پڑتے، خرچ کی سمجھ ہی نہیں آرہی تھی اور وہ سب مل کر مقدس کو دوڑاتی رہتیں اور یہ شاید مقدس کا ہی کمال تھا کہ وہ بے چاری مارکیٹ جانی اور سب کی بکس لاتی یا پھر نوٹس کاپی کروالانی اور یہ بھی اس کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ روپے بھی اپنے ہی خرچ کرتی اگرچہ بعد میں وہ سب اسے لوٹا دیتی تھیں، البتہ ایمین کے پیسے سب سے لیٹ آتے، مقدس نے بھی پلٹ کر پوچھا نہیں تھا، ایسے ہی تو وہ سب کو عزیز نہیں تھی، حقیقتاً وہ دوستوں کے لئے اپنے منہ سے نوالہ نکال کر کھلا سکتی تھی۔

مارچ کا وسط چل رہا تھا اور وہ سب کینٹین سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر اپنی کلاس میں ہی آ بیٹھی تھیں۔

”یار! ذرا دیکھو اس کینٹین والے کی حالت۔“ نوزیہ نے سب کو متوجہ کیا، سب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں نے اسے تھاؤ زٹ پکڑ لیا تو بھایا دینے کی بجائے آگے سے کہتا ہے، باجی رہنے دیں بھایا، آپ نے مجھے ہی دینے ہیں اس بار ایلڈ واس

ہی جمع کروا دیں۔“ اس نے ہنستے ہوئے بتایا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
 ”ارے اتنی بدتمیز بی، اس کی تو میں کمپلین کروں گی میڈم سے۔“ مقدس نے کہا۔
 ”جانے دو یار۔“ ایبلی نے رفع دفع کرنا چاہا پھر شرارت سے فوزیہ کو دیکھا۔
 ”ویسے کہا تو اس نے غلط نہیں۔“ سب پھر سے ہنس پڑیں، کھانا پینا پورا کر کے وہ روم سے باہر نکلیں تو ایک نئی خبر ان کی منتظر تھی، کان میں فنکشن ویک سٹارٹ ہو رہا تھا، جس میں فلاور ایگزیکٹو، مہندی کمپنیشن، کوکنگ کمپنیشن اور ہیڈ میڈ آرٹسٹ کے مقابلے شامل تھے، ایمان نے فنکشن کے نام سن کر سکون سے ہاتھ جھڑے اور ایک طرف ہو گئی۔

”ان میں سے ایک کام بھی مجھے نہیں آتا، یہ خالصتا خاتون خانہ کا شہرہ ہیں۔“
 ”ہیں، واقعی؟ تمہیں ان میں سے کوئی کام نہیں آتا؟“ عائشہ نے حیرانی سے پوچھا، کسی کو بھی یہاں تک کے پچرز کو بھی یقین نہیں تھا کہ ایسا ہوگا، کہاں ہمہ صفت موصوف ٹائپ ام ایمان اور اتنے امپورٹنٹ فنکشن ویک سے صاف ہاتھ اٹھا کر انکاری تھیں، وہ سب کو یقین دلا دلا کے تھک گئی کہ اسے کوکنگ کے نام پہ آلیٹ تک بنانا نہیں آتا تو کہاں یہ مہندی اور فلاور میکنگ.....

مگر ماسٹرز اس بار بھی پیچھے نہیں رہے تھے، مقدس اور عطرت نے کوکنگ کمپنیشن میں حصہ لیا تھا اور عطرت نے فلاور میکنگ اور مہندی کمپنیشن میں بھی اور اس بار عطرت نے میدان مارا تھا، کوکنگ کمپنیشن میں پہلا اور فلاور میکنگ میں تیسرا انعام لیا تھا اور اس پرائز ڈسٹریبوشن کے دوران ماسٹرز نے تالیاں پیٹ پیٹ کر آسمان سر پہ اٹھا لیا تھا، فنکشن چونکہ ٹھہر ڈھلور پہ تھا جیسی وہ بائیں کرنی نیچے آ رہی تھیں موضوع گفتگو آج کا فنکشن ہی تھا،

سکینڈ فلور کے ریلنگ کے پاس انہیں میڈم کلین مل گئیں۔
 ”کیسے ہیں ماسٹرز؟“ انہوں نے ریلنگ پہ ہاتھ دھرے ہوئے پوچھا۔
 ”ہم ٹھیک ہیں میم، آپ کیسی ہیں؟“ عطرت نے کہا۔
 ”فائن اور فوزیہ! آپ کے پیر کا کیا حال ہے؟“ انہوں نے کہا۔
 ”اب پہلے سے کافی بہتر ہے میم۔“ فوزیہ نے بتایا۔

”حالانکہ حال آپ کا نہیں ان سڑھیوں کا پوچھنا چاہیے، جہاں سے آپ گری تھیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے طنز کیا، اشارہ اس کی صحت مندی کی طرف تھا، درحقیقت دیکھا جاتا تو وہ خود بھی خاصی صحت مند تھیں، فوزیہ آگے سے ہنس دی، مقدس نے دانت بھیج کر انہیں گھورا۔

”پھر تو ہمیں بھی اس ریلنگ کا حال پوچھنا چاہیے۔“ مقدس نے طنز یہ مسکراہٹ کے ساتھ Satire (تقید کی)۔

ایبلی کا رنگ اڑا گیا، اس نے ہاتھ دبا کر مقدس کو خاموش رہنے کو کہا، میڈم کلین آف موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔

”یہ تم نے کیا کیا مقدس؟“ عطرت نے پریشانی سے کہا۔

”ٹھیک کیا میں نے، یار فوزیہ کو ہم نے کبھی اس طرح ڈی گریڈ نہیں کیا تو وہ کیسے کر سکتی ہیں، خود کوں ساسٹرز ہیں جو فوزیہ پہ یوں طنز کر رہی تھیں۔“ مقدس مشتعل ہو گئی۔

”پھر بھی یار..... وہ پچر ہیں۔“ عائشہ نے کہا۔

”اور سوچو اگر انہوں نے یہ سب میم عظمیٰ کو بتا دیا تو؟“ یہ وردہ تھی۔

”وہ ایسا کر نہیں سکتیں، اس میں ان کی

انسٹ ہوگی اور عائشہ تم نے ٹھیک کہا یار وہ پچر ہے اور انہیں اسی طرح بی ہونے بھی کرنا چاہیے ہماری میم عظمیٰ بھی تو ہیں کئی ناکس اور پولائنٹ ہیں۔“ مقدس نے کہا۔

”میم عظمیٰ جیسا کون ہے یار! وہ تو دن اینڈ اونٹ ہیں۔“ ایبلی نے سردھنا تھا۔

سب ہنستی ہوئی نیچے چلی آئیں، اسی خوشی میں وہ سب ایبلی کے سر ہو گئیں کہ کوئی گیت سنائے، وہ پہلے تو خمرے کرنی رہی پھر مان گئی۔

جان میں جان کسی آ جائے ابھی اس نے ایک سطر ہی گائی تھی کہ سب نے شور مچا دیا۔

”اتنا سیڈ سوگ، کوئی خوشی بھرا گانا گاؤ یار۔“ سب کا ملا جلا احتجاج جاری تھا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

وہ میری زندگی میں یوں آیا کوئی لمحہ گلاب سا ہو جیسے ”یہ کیا ہے؟ اتنا سلو میوزک، کوئی اور؟“

پھر سے آوازیں اٹھیں وہ پھر چپ ہو گئی۔

چندری عشق نے تاگے وچ

سوچ سوچ سمجھ کے پروں

نہ نہ بیٹھ کے رویں

کلیاں بیٹھ نہ رویں

وہی اس کی سریلی آواز کا زیر و بم، اسی بار کسی نے احتجاج نہ کیا تھا۔

مکدی تین رات کدی ہوندا نہیں سویرا

عشق جدوں پا لیندا دل وچ گھیرا

☆☆☆

اگلے دن بھی ان کے لئے دو خبریں تھیں،

سب سے بڑی اور خوشی کی خبر یہ تھی کہ عطرت کے

پاپا کے رپورٹس کلیئر آئی تھیں، وہ بالکل ٹھیک تھے،

اس خبر کو مارک وہ سب بے انتہا خوش تھیں، باقاعدہ

سلیپر یٹ بھی کیا گیا اور دوسری خبر یہ تھی کہ فوزیہ

کے پیر میں پھر سے سوجن ہو رہی تھی اور اسے اپنے پاپا سے بہت سخت ڈانٹ پڑی تھی جس پر وہ کچھ اداس تھی، کلاس میں فوزیہ چپ ہو اور پچرز محسوس نہ کریں یہ تو ممکن ہی نہ تھا، سر راحت کی کلاس کے بعد اچانک ہی بی اے کی کچھ لڑکیاں ان کے روم میں آ گئیں، وہ ایک خاص سوال لے کر آئیں تھیں۔

”فوزیہ؟! آپ بھی بٹ فیملی سے ہیں اور سر راحت بھی، کیا آپ آپس میں ریلیو ز بھی ہیں؟“ وہ جاننے کے لئے سخت مشتاق نظر آتی تھیں چونکہ سر راحت ان کی بھی انگلش کی کلاس لیتے تھے۔

”ارے..... آپ لوگوں کو نہیں پتا، سر راحت میرے چاچو ہیں۔“ فوزیہ نے دھڑلے سے جھوٹ بولا۔

”ریٹلی!“ وہ بے یقینی سے چلا پڑیں تھیں۔

”ہاں بالکل، آپ سر سے پوچھ لیتا۔“ فوزیہ نے نئی بڑھک ماری، ایبلی نے اس کا ٹھوکا دیا۔

”بس کرو، اگر انہوں نے واقعی سر سے پوچھ لیا تو؟“ اس نے دھیمی سی سرگوشی کی۔

”تو ٹھیک ہے نا، پوچھنے دو نا۔“ فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔

بی اے کی طالبات تو اس انکشاف کو لے کر فوراً ہی باہر نکل گئیں۔

”اب دیکھنا سر کو کبھی پھر آج ہی پتا چلے گا کہ وہ تمہارے چاچو ہیں۔“ مسکراتے ہوئے کہنے والی یہ مقدس تھی۔

”اچھا ہے، ایسی باتوں کا پتا ہونا چاہیے۔“

اس نے کہا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

اگلی کلاس پچر عظمیٰ کی تھی، وہ سب بڑی مگن

ہی جارح المیٹ کا Adam bede پڑھ رہی

تھیں، میڈم کلین آ گئیں، مقدس نے معنی خیز

نظروں سے ایبلی کی طرف دیکھا، دونوں کی

آنکھوں میں بڑی محظوظ ہونے والی کیفیت تھی، وہ میڈم عظمیٰ کے ساتھ گفتگو میں مکث نہیں پھر بات کرتے کرتے انہوں نے ان کی طرف رخ کر لیا، فوزیہ کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی ان کی شکایت لگا دیں گی۔

”مس عظمیٰ! ذرا دیکھیں اپنی سٹوڈنٹس کو، انہوں نے اتنے بڑے بڑے مخر کے مارے ہیں، بھی ان سے تو ٹریٹ لینی چاہیے۔“ انہوں نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

”لیکن مس، ہم تو سنا ہے آپ ڈانٹ پی ہیں۔“ مقدس کے برجستہ جواب نے سب کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”یہ ہوائی کس نے اڑائی ہے بھی؟“ وہ بنا برامانے قدرے حیرت سے پوچھ رہی تھیں، اب مقدس سے اپنی ہنسی دبانا دشوار ہو گیا۔

”کچھ نہیں میم، بس وہ ایسے ہی سنا تھا کسی لڑکی سے۔“ وہ آئیں بائیں شاہیں کرنے لگی۔

”اچھا تم لوگ کچھ کھلاؤ گے تو ایک دن کے لئے ڈانٹ چھوڑی بھی جاسکتی ہے۔“ وہ بھی آخر ان کی ہی استاد تھیں۔

اسی طرح کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد وہ چلی گئیں، اس کلاس کے بعد وہ لائبریری آئیں، وہ بہت کم یہاں آتی تھیں، اب بھی نت نئےیشن میگ ڈھونڈ ڈھانڈ کر کوئوں کھدروں سے نکال کر وہ لے بیٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن سیراحت کی کلاس میں دھماکہ ہوا تھا، سر نے لکچر دینے کے بعد بڑے معمول کے انداز میں پوچھا تھا۔

”بھئی وہ بی اے کی طالبات مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ سر! آپ فوزیہ کے چاچو ہیں؟“ ان کا اتنا کہنا تھا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”سر! میں نے اس کو منح کیا تھا۔“ ابی نے

فوزیہ کی طرف انگلی کر کے کہا۔

”یہ گپ اس نے ماری تھی۔“

”سر پھر کیا ہوا؟“ فوزیہ نے بتانی ہے پوچھا۔

”میں نے کہا جی ہاں وہ میری بیٹی ہے۔“

سر نے کہا۔

”واہ جینس سر جی، دل خوش کر دیا۔“ فوزیہ تو جھوم اٹھی تھی۔

”پھر مجھ سے کہنے لگیں سر! آپ چھٹی ہی نہیں کرتے؟“ میں نے کہا۔

”مجھے فوزیہ کے ابو نہیں کرنے دیتے، وہ بڑے سخت ہیں۔“ سر ہنستے ہوئے بتا رہے تھے،

سب ہلکلا اٹھیں، بعض چھوٹی چھوٹی شرارتیں زندگی کا حسن کیے دوبالا کر دیتی ہیں جیسے آج کا خوبصورت دن۔

☆ ☆ ☆

موسم ایک بار پھر گرم ہو چکا تھا اور لائٹ غائب گرمی سے بے حال ہوتے ہوئے وہ سب اب کتابوں کے پیچھے دوڑ رہی تھیں، تھرڈ سمسٹر شارٹ ہونے والا تھا، اب وہ اکٹھے بیٹھ کر ہنسی نہیں تھیں نہ کسی کو پکڑ کر اس کا مذاق بنانا شروع کر دیتی تھیں بلکہ اب صرف ”کورس“ ڈسکس ہوتا تھا، تھرڈ سمسٹر بالکل فائنل ایگزامز کے مسائل میں ہو رہا تھا اور حیرت انگیز طور پر ملٹ کے دور سے کیسپس میں ہو رہا تھا۔

آج ان کا ملت سائنس کالج کے اس کیسپس میں آخری دن تھا، لائبریری میں بیٹھے خود کو ہزار باتوں میں مصروف کر کے اپنا دھیان اس کرہناک حقیقت سے نظر چرانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ وہ آج پچھڑ رہی تھیں۔

”بہت مس کر دوں گی تم لوگوں کو یار۔“ بہت دیر بعد عائشہ بولی تھی۔

”پلیز..... عائشہ..... یار پلیز ایسی باتیں نہ کرو، میں رونے لگوں گی۔“ فوزیہ روہا سی ہو

کر بولی تھی، ابی نے تم آنکھوں سے ان سب پہ نظر دوڑائی۔

”ہم کیسے رہیں گے ایک دوسرے کے بغیر؟“ اس کا بچہ تھکا ہوا اور افسردہ تھا۔

سب کے چہرے افسردہ اور پریشان تھے اس حیران کن دنیا سے سمجھوتہ نہ کر رہی ہوں۔

”ابی! تم ایگزامز کے بعد کیا کرو گی؟“

مقدس نے بڑی مہارت سے موضوع بدلا۔

”کچھ نہیں یار! کرنا کیا ہے۔“ اس نے بے زاری سے کہا۔

”نہیں بھی، یہ ایک اور کتاب لکھے گی۔“

وردہ نے مسکرا کر کہتے ماحول بدلنا چاہا۔

”ہاں، ابی! تم ایک اور کتاب لکھنا۔“

عطرت بولی۔

”ایک بات پوچھوں ایمان؟“ فوزیہ کے طرز تنقید نے اسے چونکا دیا۔

”کیا؟“ وہ بے ساختہ بولی۔

”ابی کہتے ہیں کہ انسان میرا مطلب ہے تخلیق کار پاگل ہوتے ہیں، ان میں کچھ بھی عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا، وہ حساس ہوتے ہیں، وہ شدت پسند ہوتے ہیں اور ان کی قوت مشاہدہ بھی کمال ہوتی ہے تم میں یہ سب چیزیں ہیں ابی،

کیونکہ تم تخلیق کار ہو، مگر میرا سوال یہ ہے کہ آخر تمہارے پیچھے کیا محرک تھا؟“ فوزیہ کا تجزیہ شاندار تھا اور سوال مزے دار، ابی خالی خالی نظروں سے کٹی لمحے اسے دیکھتی رہی۔

”تم نے ٹھیک کہا فوزیہ! بس تم یہ نہیں جانتیں کہ اس کے پیچھے ایک ”جنون“ ہوتا ہے۔“ اس کی آنکھیں گزرے ماہ و سال میں کتنا پیچھے چلی گئیں تھیں۔

کئی سال پیچھے بادوں کے قبرستان میں جہاں پہلے چند جیتے جاگتے انسان تھے، پھر ان کے پت چھنک سے ٹوٹ گئے اور رفتہ رفتہ وہ

مکمل اور خوبصورت انسانوں کے بت قبروں میں جا پڑے اور اب ان قبروں پہ مجاور تھے، اس کی آنکھوں میں کرب کی سرخیاں اتر آئی تھیں۔

”کیسا جنون؟“ فوزیہ نے ٹھٹھک کر اس کے تاثرات کو دیکھا۔

”اپنا آپ منوانے کا جنون، میں ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی، میں بہت عام سی تھی، ذرا ذرا سی بات پہ گھنٹوں رونا اور ہر کسی سے دب جانے والی، اسٹڈیز میں تو خیر شروع سے ہی اچھی تھی،

مجھے یاد ہے کہ تب ہم ناکتھ میں تھے ہماری ایک استاد تھیں، بہت سخت اور کرخت مزاج اور مجھ سے تو انہیں خدا واسطے کا بیر تھا، ہر بات میں نکتہ چینی کرتیں، ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتیں، اسلٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی، مجھے

یاد ہے کہ ان دنوں مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے میں کچھ کر لوں گی، بالکل ایسا لگتا کہ کسی دن برداشت کرتے کرتے پاگل ہو جاؤں گی، جانتی ہو میں

سراقبال سے کیوں خار کھانے لگی تھی کیونکہ مجھے ان میں اپنی وہی پیچر نظر آنے لگیں تھیں، انہوں نے ایک دن مونیج یا کر خوب بھڑاس نکالی اور

پلس 150 کی کلاس کے آگے مجھے ذیل کرتے ہوئے کہا کہ میں زندگی میں بھی کچھ نہیں کر سکتی، ہمیشہ ناکام ہی رہوں گی۔“ یہاں تک بتا کر ابی

چپ ہو گئی، اس کے لب بھیجے ہوئے تھے۔

”کچھ ذہن پہ انٹ نفوش چھاپ گئے ان کے یہ الفاظ، بس وہی جنون مجھے یہاں تک لے آیا اور سنو، لوگ مجھ پہ رشک کرتے ہیں، اتنی کم

عمری میں ایسی کامیابیاں قسمت والوں کو ملتی ہیں، مجھے سب لوگ چاہتے ہیں، ہر کوئی مجھ سے پیار کرتا ہے کتنی خوش قسمت ہوں میں؟“ اس کی

آنکھوں میں ضبط کی کمی تھی۔

”ذرا سوچو تو سہی بے وقوفو، لوگ مجھ سے نہیں، میری خوبیوں سے پیار کرتے ہیں، اگر

نہیں، میری خوبیوں سے پیار کرتے ہیں، اگر

تھیں، امی کے سمن اور اسودہ نظروں سے سب کو دیکھا۔

”آج میری زندگی کی سب سے پیاری اور خوبصورت اور اچھی عید ہے۔“ امی بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی، سب نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”ہاں، ہم سب بھی بہت خوش ہیں امی اور ہم سب تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“ مقدس نے کہا۔
”کیا؟“ وہ حیرت سے بولی۔

مقدس نے سب کی نظروں کا اشارہ پا کر دوبارہ بولنا شروع کیا۔

”جب ہم سب ایک ساتھ اکٹھے ہوئے تو یہ تم تھیں امی جس نے ہمارے درمیان دوستی جیسا مضبوط اور انوثہ بندھن استوار کیا، یہ تم تھیں جس نے ہمیں باہم یکجا کیا اور متحد کیا، یہ جی تم ہی تھیں امی جس کے بل پر ہم سب اکڑتے رہے، ہم سب کا فخر ہو تم، تم سے ہی سکھیا ہم نے کہ کیسے خود کو ضبط کے کڑے پہرے بٹھا کر دوسروں کو برداشت کیا جاتا ہے، کیسے دوسروں کو اپنا بنایا جاتا ہے، ام ایمان تم ہم سب کا فخر ہو۔“ وہ چپ ہو گئی، پھر آہستہ سے مسکرائی۔

”We love you“ امی کا چہرہ جوش و خوشی سے تھم رہا تھا۔

”ہمیشہ تم سے کچھ سنتے ہیں، آج میں تمہیں کچھ سناؤں گی۔“ نوزیہ نے کہا۔

یہ دوستی تیرے دم سے ہے
ساری خوشی تیرے دم سے ہے
تو زندگی قسم سے ہے

یہ دوستی تیرے دم سے ہے
وہ سب کورس میں گنگنا رہی تھیں اور کمرہ ان کی کھٹکتی ہنسی اور پر غلوں سے مہک اٹھا تھا۔

☆☆☆

میں ہی عام کی مڑی ہوئی، تم میں سے کوئی ایک گناہ، جسے کوئی جانتا نہ ہوتا تو کیا ہوتا، کیا تب بھی سب مجھے اسی طرح پیار کرتے نہیں نوزیہ، کبھی نہیں قطع نہیں یہ سب ”ام ایمان اچھ“ کے لئے ہے امی کے لئے نہیں۔“ اس کی آنکھوں سے دو موٹی ٹپک پڑے۔

”امی!“ عطر نے تڑپ کر اسے ساتھ لگایا۔

”یہ ہی سچ ہے عطر! کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا، میں ہمیشہ ہستی رہتی ہوں مگر کوئی نہیں جانتا میرے اندر کیسے مدد جزا کھتے رہتے ہیں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، سب کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

”امی! ہم تم سے پیار کرتے ہیں، تم ہمیں عزیز ہو یا! تم ہماری جان ہو امی اور ہم سب ”امی“ کو بہت چاہتے ہیں۔“ مقدس نے کہتے ہوئے اسے ساتھ لگایا، نوزیہ نے اس کا گال چوما اور اپنی پانچ دوستوں کے حصار میں گھری امی پورے دل سے مسکرائی تھی۔

☆☆☆

فائل ایگزاحز آئے اور منٹ گئے، وہ سب گھروں میں مقید ہو گئیں، مگر فون پر ایک دوسرے سے رابطے میں تھیں، رمضان شروع ہوا تو سب کے بچے اور دعائیں طویل ہوئی گئیں، گرمی کے روزے اور لمبے دن، امی غنودگی میں جاتے جاتے بھی یہی دعا کرتی رہتی۔

”اللہ جی! سب کو پاس کر دینا۔“
عید پر سب کی ایمان کے گھر ٹریٹ تھی، جسے امی نے ”عید ملن باری“ کا نام دیا تھا۔

رزق برق اور خوبصورت ملبوسات زیب تین کیے وہ سب اس وقت امی کے کمرے میں جمع تھیں، کوئی اس کے بیڈ پر دراز تھی تو کوئی کشن دیوچے کا ربٹ پہ اور بانی کرسیوں پہ براجمان